علمائے کرام کا واٹس ایپ گروپ
بزم علماء والأئمہ
03345613913

باسمہٖ تعالیٰ

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (القرآن)

مَیّت پر اظہارِ غم

کے

مسائل و دلائل

مع ضمیمہ

از قلم:

حبیب الرحمٰن اعظمی

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، سہارنپور، یوپی

ناشر

مرکز دعوۃ و تحقیق دیوبند، یوپی (الہند)

CamScanner

بزمِ علماء والأئمة
صرف علماء ، طلباء اور خطباء شامل ہوں
03345613913
آنے والا جمعہ کس عنوان پہ مناسب یا ضروری ہے
اس بارے میں
اپنی مفید آراء و تجاویز اور ان
سے متعلقہ کتب اوپر دئیے
گئے نمبر پہ ارسال فرمائیں
CamScanner

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (القرآن)

میت پر اظہار غم

کے

مسائل و دلائل

مع ضمیمہ

از قلم:

حبیب الرحمٰن اعظمی

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، سہارنپور، یوپی

ناشر

مرکز دعوۃ و تحقیق دیوبند، سہارنپور، یوپی (الہند)

تفصیلات

نام کتاب : میت پر اظہار غم کے مسائل و دلائل
مع ضمیمہ
مؤلف : حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، سہارنپور، یوپی
طبع اوّل : ۱۴۴۰ھ/۲۰۱۸ء
ناشر : مرکز دعوۃ وتحقیق دیوبند، سہارنپور، یوپی (الہند)

فہرست عنوان

☆ ☆ ☆

مقدمہ

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، أما بعد:

غالباً ماہ ذی قعدہ کی ۲۵ یا ۲۶ تاریخ تھی کہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کا ایک لفافہ دفتر اہتمام کے کارندہ کے ذریعہ موصول ہوا جس میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے مراسلہ کے ہمرشتہ حضرت صدر المدرسین زید مجدہ کا بھی ایک مکتوب تھا، جس میں صدر محترم زید مجدہ نے ایک سمینار میں شرکت کی دعوت پر داعی کو لکھا تھا کہ

> ''اس سمینار میں شرکت میرے لیے بڑی سعادت کی بات ہے؛ مگر یہ تقریب دیوبندیت کے خلاف ہے اور میری مسلک کے تعلق سے ایک ذمہ داری ہے، اس لیے افسوس کے ساتھ اطلاع دے رہا ہوں کہ اس تقریب میں شریک نہیں ہوسکوں گا.... آگے تحریر فرماتے ہیں:
> کسی شخص کے محاسن ومناقب بیان کرنے کے لیے جو مجلس منعقد کی جائے اس کو سمینار نہیں کہا جا سکتا ہے یہ نوحہ کی ایک شکل ہے''

حضرت صدر محترم زید مجدہ کا یہ انکشاف چونکہ بندہ کے لیے بالکل نیا اور انوکھا تھا اس لیے اس پر استعجاب ہوا، پھر نوحہ ہونے کی جو وجہ ذکر کی گئی تھی اس سے اشکال اور گہرا ہوگیا؛ کیونکہ احادیث میں محاسن موتی کے ذکر کا بتاکید حکم ہے، علاوہ ازیں اصحاب علم وفضل ورشد وہدایت اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں نمایاں خدمات کی حامل شخصیتوں کی وفات پر دینی تعلیم گاہوں، علمی مراکز اور مسلم تنظیموں کی طرف سے تعزیت کے عنوان سے اجتماعات کا عام معمول ہے اور یہ معمول صرف برصغیر ہند وپاک اور بنگلہ دیش ہی میں نہیں؛ بلکہ پورے عالم اسلام میں جاری وساری ہے اور خود دار العلوم دیوبند میں بھی اس انوع کے اجلاس اکابر رحمہم

اللہ کے دور سے ہوتے رہے ہیں اور ان اجتماعات میں اس دنیا سے رخصت ہوجانے والی برگزیدہ شخصیت کے سوانح اور محامد ومحاسن ہی کا تذکرہ ہوتا ہے، تو کیا یہ سب اجتماعات از شکل نوحہ اور ان کے کرنے والے نوحہ خواں ہیں؟

نماز عصر کے لیے مسجد گیا تو مسجد میں موجود سارے اساتذہ نے بھی اپنی ذہنی تشویش کا اظہار کیا، ان میں سے بعض نے بندہ سے کہا تمھیں اس مسئلہ میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے گفتگو کرنی چاہیے۔ اسی دوران ایک مؤقر استاذ نے حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم کی سوانح حیات کا ایک نسخہ دیا اور کہا کہ حضرت کی وفات پر دارالعلوم دیوبند کے اس وقت کے اکابر رحمہم اللہ نے جو اجتماع کیا تھا، اس کی مکمل روداد بقلم حضرت شیخ الادب رحمہ اللہ ''القاسم'' کے حوالہ سے اس میں مرقوم ہے۔ میں نے نماز مغرب کے بعد اس روداد کو سرسری طور پر دیکھا جس میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ نے جلسہ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ہے:

''آج ہم جو کچھ کریں گے وہ اس ارشاد نبوی کی تعمیل ہے جس میں مسلمانوں کو مر کر جدا ہوجانے والوں کا ذکر خیر کے ساتھ کرنے کا مامور کیا گیا ہے''

نیز حضرت محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی یہ صراحت بھی ہے:

''اگر کسی کے مرنے پر اس کے واقعی اوصاف ذکر کیے جائیں تو یہ ہرگز ممنوع نہیں ہے؛ لیکن مبالغات شعریہ اور حدود شرعی سے متجاوز الفاظ بیشک لائق احتراز ہیں۔''

حضرات اکابر رحمہم اللہ کے علم وعمل پر پہلے سے جو اعتقاد ویقین تھا، اس بناء پر میں اپنی حد تک بالکل مطمئن ہوگیا کہ اس نوع کے سیمینار یا جلسوں کا نوحہ سے ادنی بھی تعلق نہیں ہے، چنانچہ اسی وقت میں نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے بذریعہ فون برائے گفتگو وقت طلب کیا اور انھوں نے بعد از عشاء کا وقت دے دیا، میں گیا اور ساتھ میں یہ سوانح بھی لیتا گیا اور عرض کیا کہ حضرت اقدس بڑے

رائپوری قدس سرہ کی وفات پر اکابر رحمہم اللہ نے جو جلسہ کیا تھا اس کتاب میں اس کی مکمل روداد ہے اور جہاں تک یاد آتا ہے کہ میں نے یہ بھی عرض کیا دارالعلوم کے مسلک ومشرب کی تنقیح قطب ارشاد حضرت مولانا گنگوہی کے ہاتھوں ہوئی ہے جبکہ ان کی ساختہ پرداختہ چار شخصیتیں یعنی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبزادہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی، حضرت محدث کشمیری صاحب اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن بھی ان میں شامل ہیں جنھوں نے حضرت رائے پوری کے مناقب ومحامد اور دیگر اوصاف حمیدہ کو نہ صرف اپنی تقریروں میں بیان کیا ہے؛ بلکہ ان پر مرثیے بھی پڑھے، ابھی گفتگو کو پانچ منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ حضرت مہتمم صاحب کے برادر خرد مع اہل خانہ آگئے تو میں نے عرض کیا یہ کتاب میں چھوڑے جاتا ہوں آپ اس کا مطالعہ فرمالیں پھر جو چاہے فیصلہ فرمائیں، یہ کہہ کر بندہ واپس آگیا۔

چنانچہ انھوں نے اس جلسۂ تعزیت کی مکمل روداد کا مطالعہ فرمایا اور اس کے نتیجے میں حضرت صدر محترم زید مجدہ کو پورے ایک صفحہ کا مفصل گرامی نامہ تحریر کیا اور ساتھ ہی اس جلسہ کی کارروائی کی فوٹو کاپی بھی بھیج دی، حضرت مہتمم صاحب کی یہ تحریر اس قابل ہے کہ اسے پورا نقل کیا جائے؛ لیکن اس سے ہماری یہ مختصر تحریر بہت طویل ہو جائے گی، اس لیے اس کا آخری پیرا ہی نقل کیا جارہا ہے۔

حضرت مہتمم صاحب لکھتے ہیں:

”اس تفصیلی روداد کو دیکھنے کے بعد اور مختلف اکابر کے انتقال کے مواقع پر دارالعلوم دیوبند میں ہونے والے جلسہ ہائے تعزیت کا تفصیلی علم ہونے کے بعد بندہ پر یہ بات واضح ہوگئی کہ آں جناب نے جلسۂ تعزیت یا سمینار کو نوحہ قرار دینے کا جو نظریہ قائم فرمایا ہے وہ دراصل دیوبندیت نہیں ہے، کیونکہ دیوبند کے اساطین صراحت کے ساتھ اس نظریہ کی نفی کررہے ہیں اور مسلسل ان کے خلاف عمل ہوتا رہا ہے.... بندہ نے آں جناب کی

رائے سے اتفاق کرتے ہوئے جونظریہ قائم کیا تھا اب اس سے رجوع کرتا ہے، اور آں جناب نے بھی یہ رائے ذاتی نظریہ کے طور پر نہیں دی تھی؛ بلکہ بحیثیت صدر المدرسین دار العلوم دیوبند، دیوبندیت کے ترجمان کی حیثیت سے دی تھی اور اس کو دیوبندیت قرار دیا تھا اور اب اس نظریہ کا غلط ہونا واضح ہو چکا ہے اس لیے آپ کو بھی اس رائے سے صراحتاً رجوع کرنا ضروری ہے، کیونکہ نہ صرف کبار اساتذۂ دار العلوم؛ بلکہ ملک میں مسلک دار العلوم دیوبند سے وابستہ بہت سے حضرات کے اندر آپ کی اس رائے کی بناء پر سخت بے چینی پیدا ہوگئی ہے۔ (مکتوب ۲۷/۱۱/۱۴۳۹ھ=۱۰/اگست ۲۰۱۸ء)

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے مراسلہ کے جواب میں حضرت صدر محترم زید مجدہ نے اسی دن پانچ صفحات پر مشتمل ایک طویل مکتوب تحریر فرمایا جس میں اصل دیوبندیت کیا ہے کو چھ نمبروں میں ذکر کیا ہے اور موجودہ دیوبندیت کے بارے میں اپنے اس احساس کا اظہار کیا ہے کہ یہ اپنی ڈگر سے ہٹ گئی ہے پھر آخری (٦) میں لکھتے ہیں کہ اسی طرح حدیث میں مراثی کی ممانعت آئی ہے، القاسم میں جو روداد چھپی ہے اس میں زور سے رونا دھونا ہوا ہے پھر نوحہ میں اور اس میں کیا فرق رہا؟ اور بزرگوں کے عمل کی یہ تاویل کریں گے کہ اس وقت مسئلہ منقح نہیں ہوا تھا۔ پھر ڈیڑھ سطر کے بعد فرماتے ہیں ''اس تعزیتی اجلاس میں اکابرین نے جو فرمایا تھا کہ ہمارا عمل اذکروا محاسن موتاکم کے مطابق ہے، اگر اس حدیث کا یہ مطلب ہے تو نھی عن المراثی کا کیا مطلب ہے؟

حضرت محدث کشمیری قدس سرہ نے ذکر محاسن موتی کے مسئلہ کی جو وضاحت فرمائی تھی ہم اس کا ذکر اوپر کر چکے ہیں، ظاہر ہے حضرت صدر محترم نے روداد کے مطالعہ کے دوران حضرت محدث کشمیری کا وہ بیان بھی ضرور پڑھا ہوگا، پھر بھی

حضرات اکابر کے بارے میں یہ سب فرما رہے ہیں اور وہ بھی بغیر کسی مقبول وصحیح دلیل کے، بندہ نے اس کتابچہ میں ان دونوں مسئلوں پر یعنی اظہار غم میں زور سے رونے اور نہی عن المراثی پر تفصیل سے گفتگو کی ہے جس سے دونوں احادیث کا محمل اور حضرات اکابر کے عمل کی جوازی حیثیت بالکل واضح ہوگئی ہے۔

بہرحال حضرت مولانا محترم کے اس مکتوب سے مکمل اندازہ ہوگیا کہ وہ اس مسئلہ میں اپنی رائے سے رجوع نہیں کریں گے۔ بعدازاں عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں طلبہ واساتذہ کی اکثریت اپنے اپنے اوطان چلی گئی اس لیے اس نئے مسئلہ کی بناء پر جو احاطۂ دارالعلوم میں اضطرابی وبےچینی کی کیفیت تھی وہ بظاہر مضمحل ہوگئی۔

یہ راقم الحروف بھی اپنے وطن چلا گیا، گھر پر قیام کے دوران فضلائے دارالعلوم کی ایک بڑی تعداد نے اس مسئلہ پر اپنی ذہنی کشمکش کا تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ دارالعلوم نے خود اپنے مخالفین کے ہاتھ حربہ دے دیا ہے، اب ہم لوگوں کو اور پریشانی ہوگی۔ اس دوران جبکہ بندہ کی واپسی دیوبند میں ایک دن باقی رہ گیا تھا، قرب وجوار کے مدارس کے اساتذہ اور دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی ایک بڑی تعداد بغرض ملاقات آئی، انھیں لوگوں سے معلوم ہوا کہ حضرت صدر صاحب کا ایک اور مضمون واٹس ایپ پر چل رہا ہے۔ میں نے کہا اس کی کاپی نکال کر مجھے دو میں پڑھوں اس میں کیا ہے۔ ایک فاضل نے صبح کو جبکہ میں اسٹیشن جانے کے لیے تیار ہو چکا تھا، میرے ایک مخلص کے ہاتھوں مطلوبہ کاپی بھیج دی۔ اس وقت تو میں نے اسے نہیں پڑھا؛ لیکن جب ٹرین پر سوار ہوکر اپنی سیٹ پر اطمینان سے بیٹھ گیا تو پڑھا۔

کچھ کم اس دو صفحہ کی تحریر پڑھ کر بڑا صدمہ ہوا، خاص طور پر حضرت صدر محترم کی یہ عبارت ''جلسۂ تعزیت میں اکابر نے جو دفع دخل مقدر کیا ہے کہ ہم جو کچھ کررہے ہیں وہ اذکروا محاسن موتاکم پر عمل ہے'' اس میں اشارہ ہے کہ اس میں اس کو منکر سمجھنے والے بھی تھے، ورنہ دفع دخل مقدر کی کیا ضرورت تھی۔

پھر اس جلسے میں مراثی بھی پڑھے گئے تھے بس غور کرلیا جائے کہ وہ کس

حدیث کے مصداق تھے؟ واقعہ یہ ہے کہ حضرت صدر محترم کی اس عبارت نے تو پورے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور بے ساختہ زبان پر یہ مصرعہ آ گیا ''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے'' اور اسی وقت طے کرلیا کہ اپنے علم وفہم کے مطابق اس مسئلہ کی پوری تحقیق کے بعد ایک مقالہ مرتب کر کے شائع کرنا ضروری ہے تا کہ حضرات اکابر کے علم وعمل پر جو غبار اٹھایا گیا ہے وہ صاف ہو اور اصل مسئلہ کی صحیح وضاحت بھی لوگوں تک پہنچ جائے۔

چنانچہ دارالعلوم پہنچتے ہی اس کام میں منہمک ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہفتہ عشرہ کے اندر تقریباً ۳۰ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ''میت پر اظہار رائے کے مسائل اور دلائل'' کے نام سے تیار ہو گیا۔ اسی دوران جناب مولانا مفتی محمد امین پالن پوری صاحب زید مجدہ کا دو ورقہ مضمون بعنوان ''جلسۂ تعزیت اور سمینار کا شرعی حکم'' واٹس ایپ پر گشت کرنے لگا، چنانچہ اس کا بھی جائزہ لیا گیا چودہ صفحات پر مشتمل یہ جائزہ بھی بطور ضمیمہ کے اس کتابچہ کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہے۔

خدا شاہد ہے کہ ان محترم معاصرین کی تحریروں سے اکابر رحمہم اللہ کے علم وعمل سے بے اعتمادی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو اس موضوع پر شاید قلم اٹھانے کی نوبت نہ آتی۔

اس کم مایہ سے جو کچھ ہو سکا وہ ہدیۂ ناظرین ہے اور خدائے ذوالمنن کی بارگاہ میں عاجزانہ التجاء ہے کہ بارالٰہا دین کی حمیت اور پاکباز بندوں کی مدافعت میں اس عاجز کی اس جہد مقل کو قبول فرما کر دونوں جہاں میں اسے بندہ کے حق میں نافع اور مفید بنا دیجیے، آمین یا رب العالمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین.

حبیب الرحمٰن اعظمی

۸/ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ

الحمد للّٰہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم، والصلاۃ والسلام علی شمس الھدایۃ والیقین، وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین. اما بعد!

اس دنیائے فانی سے جب کوئی انسان انتقال کر کے دارآخرت کو چلا جاتا ہے تو اس فراق اور جدائی سے اس کے عزیز وقریب، آشنا وشناشا کا دردمند اور رنجیدہ خاطر ہونا ایک طبعی وفطری امر ہے۔ چنانچہ مذہب اسلام جو دین فطرت ہے اور اپنے ماننے والوں کی زندگی کے ہر موڑ پر کامل رہنمائی کرتا ہے اس انتہائی جذباتی عالم میں بھی ایک مسلم کو آزاد نہیں چھوڑ دیتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنے دردوغم کا اظہار کرے؛ بلکہ قدم قدم پر ہدایت دیتا اور بتاتا ہے کہ وہ کس طرح اپنی اصل فطرت وطبیعت کے مطابق اپنے حزن وملال کو بیان کرے۔

اس موقع سے متعلق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور فقہ اسلامی میں درج ذیل الفاظ وارد ہوئے ہیں، النعی، البکاء علی المیت، التعزیۃ، النیاحۃ والندبۃ، ذکر محاسن الموتیٰ، الرثا دراصل یہی الفاظ ہیں جن کے ذریعہ اس باب میں شریعت اسلامی کے احکام کی تعبیر کی گئی ہے، آیندہ سطور میں ان الفاظ کے لغوی واصطلاحی معانی اور بعض ان احادیث کی تفصیل جن میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں ملاحظہ کیجیے۔

۱- النعی

یعنی کسی شخص کی موت کی خبر دینا، صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعی النجاشی للناس فی الیوم الذی مات فیہ. الحدیث، (رقم الحدیث ١٢٤٥، فتح الباری، ج٣، ص١٥٠) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نجاشی کی وفات کی اطلاع اسی دن دے دی جس دن ان کا انتقال ہوا تھا۔

اسی طرح صحیح بخاری میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعی زیدًا وجعفرا وابن رواحہ للناس قبل ان یاتیھم خبرھم، الحدیث (رقم الحدیث ٤٢٦٢، فتح الباری، ج٧، ص٦٥٢) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی خبر لوگوں کو میدان جنگ سے خبر آنے سے پہلے دے دی۔

علاوہ ازیں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ ان اسود رجلاً او امرأۃ کا ن یقُمُّ المسجد، فمات ولم یعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بموتہ، فذکرہ ذات یوم فقال: ما فعل ذلک الانسان؟ قالوا: مات یا رسول اللہ، قال افلا آذنتمونی؟ الحدیث (صحیح بخاری رقم ١٣٣٧، فتح الباری، ج٣، ص٢٦٣) ایک سیاہ فام مرد یا عورت، مسجد میں جھاڑو دیا کرتے تھے، ان کی وفات ہوگئی اور نبی علیہ السلام کو اس کا علم نہیں ہوا؛ چنانچہ ایک دن آپ نے انھیں یاد فرمایا کہ فلاں انسان کا کیا حال ہے، لوگوں نے بتایا کہ وہ تو وفات پا گئے، تو آپ نے فرمایا: تم لوگوں نے مجھے ان کی وفات کی خبر کیوں نہیں دی۔

ان احادیث کے پیش نظر حضرات فقہاء کہتے ہیں میت کے موت کی خبر دینا مستحب اور مندوب الیہ ہے؛ چنانچہ فتاوئ عالم گیری میں ہے یستحب ان یعلم

جيرانه واصدقاءه حتى يؤدّوا حقه بالصلاة عليه والدعا له، مستحب ہے کہ مرنے والے کے ہمسایوں اور دوستوں کو اس کے موت کی اطلاع دے دی جائے تاکہ نماز جنازہ اور دعاء کے ذریعہ اس کے حق کو ادا کردیں۔

اسی طرح امام نووی اوپر مذکور موت نجاشی کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: فيه استحباب الاعلام بالميت. اس حدیث سے موت کے اعلان کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

ابن مفلح لکھتے ہیں ويتوجه استحبابه لاعلامه النبي صلى الله عليه وسلم بالنجاشي وقوله عن الذي يقُمُّ المسجد افلا كنتم آذنتموني به. اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کو نجاشی کی وفات کی اطلاع دینا اور مسجد کی صفائی ستھرائی کرنے والے کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد کہ تم لوگوں نے اس کی وفات کی خبر مجھے کیوں نہیں دی۔ نعی کے استحباب کی دلیل ہے۔ (الموسوعة الفقهيه، ج٤٠، ص ٣٧٧-٣٧٨)

حافظ ابن عبدالبر، الاستذکار میں نعی پر تفصیلی گفتگو کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

وقد اجمعوا ان شهود الجنائز خير وفضل، وعمل برّ، واجمعوا ان الدعاء الى الخير من الخير، وكان ابو هريرة يمُرّ بالمجالس فيقول: ان اخاكم قدمات فاشهدوا جنازته. (ج٨، ص٢٣٣ رقم الفقرة ١١٢١٠)

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جنازوں میں حاضری بھلائی، فضیلت اور نیک عمل ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ خیر کی طرف دعوت خیر ہے، اسی لیے جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی نشست گاہوں کے پاس سے گذرتے تو کہتے تمہارے بھائی کی موت ہوگئی ہے؛ لہٰذا اس کے جنازے میں جاؤ۔

جو احادیث نعی سے نہی اور ممانعت میں وارد ہوئی ہیں وہ نعی جاهلية پر محمول ہیں؛ چنانچہ حافظ ابن حجر صحیح بخاری کے "باب الرجل ينعى إلى أهل

المیت بنفسه" کی شرح میں لکھتے ہیں وفائدة هذه الترجمة الاشارة إلی أن النعی لیس ممنوعاً کله، وانما نهی عما کان أهل الجاهلیة یصنعونه" الخ (فتح الباری، ج۳، ص ۱۵۱).

امام ابن العربی مالکی نے اس سلسلے میں بڑی اچھی بات لکھی ہے، وہ لکھتے ہیں یوخذ من مجموع الاحادیث ثلاث حالات، الاولیٰ اعلام الاهل والاصحاب واهل الصلاح فهذا سنة، الثانیة دعوة الحفل للمفاخرة فهذه تکره، الثالثة الاعلام بنوع آخر کالنیاحة و نحو ذلك فهذا حرام.

یعنی اس باب میں وارد احادیث تین حالات پر محمول ہیں: (۱) میت کے اہل اور رفقاء اور اہل صلاح کو موت کی خبر دینا سنت ہے، (۲) ایک بڑے مجمع کو بطور فخر کے بلانا تو یہ مکروہ ہے اور اعلان کے ساتھ اگر نوحہ جیسی کوئی چیز ہو تو یہ حرام ہے۔

۲- البکاء

کسی کی موت کے وقت یا اس کے بعد آواز یا بغیر آواز کے رونے کے سلسلے میں درج ذیل تفصیلات ہیں:

(۱) اگر رونا صرف آنکھوں سے ہو تو باتفاق فقہاء اس طرح رونا جائز ہے اور اگر شدت گریہ سے روکنے کے باوجود آواز نکل آئی تو اس کے جواز پر بھی اتفاق ہے۔

(۲) رونا باآواز بلند نوحہ اور بیان کے ساتھ ہو تو اس کی حرمت پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے؛ البتہ حرمت کی تعبیر میں تھوڑا سا فرق ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد اسے حرام کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اور احناف کراہیت تحریمی کہتے ہیں، نوحہ کے ساتھ رونے کا حکم آیندہ سطور میں تفصیل سے آ رہا ہے۔

(۳) گریہ باآواز جس میں نوحہ وغیرہ نہ ہو فقہائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے؛ البتہ مالکیہ کے یہاں شرط ہے کہ رونے کے لیے اجتماع نہ ہو، برائے گریہ اجتماع مکروہ ہے۔

حضرات شوافع کے یہاں تفصیل ہے:
یہ گریہ اگر میت پر قیامت وغیرہ کی ہولناکیوں کے خوف سے ہے، یا میت پر شفقت وترحم کی بناء پر ہے تو جائز ہے، یا صلاح وبرکت، شجاعت اور فوت علم کے غم سے ہے تو مندوب ہے، یا اپنے مصالح دنیوی کے فوت ہو جانے کے غم سے ہے تو مکروہ ہے، یا اللہ کے فیصلہ پر عدم رضا کی بناء پر ہے تو حرام ہے۔ الموسوعة الفقهيه، ج۸، ص۱۷۲)

دلائل

(۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ :دَخَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَبِي سَيْفٍ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرًا لِإِبْرَاهِيمَ فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِبْرَاهِيمَ فَقَبَّلَهُ وَشَمَّهُ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذَلِكَ وَإِبْرَاهِيمُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ. فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ: وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ: يَا ابْنَ عَوْفٍ إِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ أَتْبَعَهَا بِأُخْرَى فَقَالَ: إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يُرْضِي رَبَّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ متفق عليه (مرقات شرح مشكوٰة، ج٤، ص١٧٧)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوسیف آہنگر کے گھر گئے یہ ابراہیم (بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی دایہ کے شوہر تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں گود میں لیا اور بوسہ دیا، سونگھا، اس کے بعد ہم پھر ابوسیف کے یہاں گئے بایں حال کہ ابراہیم قریب المرگ تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے (یہ دیکھ کر) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا آپ بھی رورہے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ رونا بربنائے رحمت ہے، پھر اس کے بعد اور آنسو گرے اور

فرمایا: آنکھ آنسو بہارہی ہے، دل رنجیدہ ہے اور ہم وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو، اے ابراہیم ہم تمہارے فراق سے غمگین ہیں۔

(۲) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: اشْتَكَى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ شَكْوَى لَهُ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُهُ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ وَجَدَهُ فِي غَاشِيَةٍ، فَقَالَ: قَدْ قَضَى؟ قَالُوا: لَا، يَا رَسُولَ اللهِ فَبَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا رَأَى الْقَوْمُ بُكَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَوْا، فَقَالَ: أَلَا تَسْمَعُونَ؟ إِنَّ اللَّهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ، وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ، وَلَكِنْ يُعَذِّبُ بِهَذَا - وَأَشَارَ إِلَى لِسَانِهِ - أَوْ يَرْحَمُ، الحديث متفق عليه (مرقات، ج٤، ص ١٨٠)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مبتلائے مرض ہوئے، تو ان کی عیادت کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تشریف لائے، جب ان کے پاس پہنچے تو وہ شدت مرض سے غشی میں تھے، آپ نے دریافت فرمایا کیا فوت ہوگئے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں، (ان کی اس حالت کو دیکھ کر) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے، جب لوگوں نے آپ کو روتے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے، آپ نے بتاکید فرمایا سنو اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو اور قلب کے رنج پر عذاب نہیں دیں گے؛ لیکن زبان کی بناء پر عذاب دیں گے، یا رحم فرمائیں گے، (یعنی زبان سے نوحہ اور بیان کرنے پر عذاب دیں گے اور انا للہ وانا الیہ راجعون وغیرہ پر رحمت سے نوازیں گے)

(۳) وعن ابی هريرة قال: زار النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قبر امه فبكى وابكى من حوله. (صحيح مسلم، ج١، ص٣١٤)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی

والدہ کی قبر کی زیارت کی تو روئے اور اپنے پاس والوں کو رلایا۔

(۴) وروى أبو إسحاق السبيعي عن عامر بن سعد البجلي عن أبي مسعود الانصاري، وثابت بن زيد، وقرظة بن كعب قالوا: رخص لنا في البكاء على الميت من غير نوح. (الاستذكار، ج٨، ص٣١٤، رقم الفقره ١١٦٥٣) حافظ نے فتح الباری، ج٣، ص١٩٦ میں صححه الحاکم کی صراحت کی ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری، ثابت بن زید اور قرظۃ بن کعب رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ بغیر نوحہ کے میت پر رونے کی اجازت ہمیں دی گئی ہے۔

اس باب میں بہ کثرت احادیث وآثار وارد ہوئے ہیں، بغرض اختصار انھیں پر اکتفاء کیا جارہا ہے۔

٣- التعزیت

ماتم پرسی، میت کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی اور حادثۂ موت پر اجرو ثواب کا ذکر کرکے صبر وتسلی دلانے کو تعزیت کہتے ہیں، اسی کو عام محاورہ میں پرسا کہا جاتا ہے۔

تعزیت کے استحباب پر فقہاء کا اتفاق ہے، اس حکم شرعی کی اصل درج ذیل اخبار ہیں:

(١) عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من عزّى مصاباً فله مثل اجره. (سنن ترمذى رقم ١٠٢٢)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے گا تو اس کے لیے مصیبت زدہ کے اجر کے مثل ثواب ہے۔

(٢) ما من مؤمن يعزّى اخاه بمصيبة الاكساه الله من حلل الكرامة يوم القيامة. (اخرجه ابن ماجه بسند حسن رقم ١٦٠١)

جو مؤمن بھی اپنے بھائی مؤمن کی مصیبت میں تعزیت کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت میں عزت وکرامت کے جوڑے پہنائیں گے۔

(۳) عن سعد بن سهل رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سيعزى الناس بعضهم بعضاً من بعدى التعزية فكأن الناس يقولون ما هذا؟ فلما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم لقى الناس بعضهم بعضاً يعزى بعضهم بعضاً برسول الله صلى الله عليه وسلم. (رواه ابوبكر ابن ابى شيبة باسناد حسن اتحاف الخيرة المهرة، ج۳، ص۲۸۸ رقم ۲۷۱۹)

سعد بن سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب میرے بعد لوگوں کے بعض، بعض کی تعزیت کریں گے (راوی حدیث بتارہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر گویا حیرت سے) لوگ کہنے لگے ماھذا یہ کیا بات ہے، پھر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے اٹھا لیے گئے تو لوگ ایک دوسرے سے ملتے تو بعض بعض کی تعزیت کرتا (کیونکہ وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر مومن کی سب سے عظیم مصیبت ہے تو سب کے سب مستحق تعزیت ہوگئے۔ اس لیے صحابۂ کرام آپ کی وفات کے وقت ایک دوسرے سے ملتے تو باہم تعزیت کرتے۔ آپ نے صحابہ کو اس کی پیشگی اطلاع دی تھی؛ لیکن اس وقت لوگ اس کو سمجھ نہیں پائے اس لیے حیرت واستعجاب کا اظہار کیا)

۴۔ تذکرہ محاسن موتیٰ

میت کی واقعی خوبیوں کا ذکر مشروع ومحمود ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر نے شیخ زین الدین ابن المنیر سے نقل کیا ہے "انّ ثناء الناس على الميت مشروع وجائز مطلقًا، بخلاف الحيّ فانه منهى عنه اذا افضى إلى الاطراء خشيةً عليه من الزهو (فتح البارى، ج۳، ص۲۹۳ مع تغير يسير)

لوگوں کا میت کی مدح وثنا کرنا علی الاطلاق مشروع وجائز ہے، جبکہ زندہ کی اس قدر مدح کہ وہ مبالغہ تک پہنچ جائے ممنوع ہے؛ کیونکہ اس کی حد سے زیادہ ستائش سے اندیشہ ہے کہ وہ مبتلائے غرور ہو جائے گا۔

امام نووی لکھتے ہیں:

يستحب الثناء على الميت وذكر محاسنه (الاذكار، ص ١٥٠).

وقال: لمن مرّ به جنازة أو رآها يدعو ويثني عليها بالخير ان كانت اهلاً للثناء ولا يجازف في ثنائه (الاذكار، ص١٤٦).

میت کی ثنا اور اس کی خوبیوں کا تذکرہ مستحب ہے، نیز وہ لکھتے ہیں جس کے قریب سے جنازہ گزرے یا جنازہ کو دیکھے تو اس کے لیے دعا کرے اور اس کی خوبیوں کی ستائش کرے جبکہ وہ اس ستائش کا اہل ہو اور ستائش میں حد سے تجاوز نہ کرے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے "اصل الثناء والمدح على الميت ليس بمكروه وانما المكروه مجاوزة الحد بما ليس له (الموسوعة، ج٣٦، ص٢٨٢)

میت کی اصل مدح وثنا مکروہ نہیں ہے، مکروہ تو مدح میں حد سے تجاوز کرنا ہے، کہ جو صفت اس میں نہیں ہے وہ بھی بیان کی جائے۔

دلائل

(ا) عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: قال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم اذكروه محاسن موتاكم، وكفّوا عن مساويه. (اخرجه الترمذى والحاكم وقال الترمذى غريب وقال الحاكم صحيح الاسناد لم يخرجاه، و وافقه الذهبى فى التلخيص)

اپنے مردوں کی خوبیوں کا ذکر کرو اور اس کی برائیوں کے ذکر سے زبان کو

روکے رکھو۔

(۲) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰه عنه قَالَتْ: ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَالِكٌ بِسُوءٍ، فَقَالَ: لَا تَذْكُرُوا هَلْكَاكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ. وفی رواية موتاكم. (رواه النسائی فی السنن، ج۱، ص٢٧٤ وقال العجلونی سنده جيد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک میت کا برائی سے ذکر کیا گیا، تو آپؐ نے فرمایا اپنے مردوں کا ذکر خیر ہی سے کیا کرو۔

(۳) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰه عنها قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوه (رواه البخاری فی صحيحه فتح الباری، ج۳، ص ۳۳۰)

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: مردوں کو برا بھلا نہ کہو؛ کیونکہ وہ ان اعمال تک پہنچ گئے ہیں، جنھیں انھوں نے پیشگی بھیجا تھا (لہٰذا اب انھیں برا بھلا کہنے سے کوئی فائدہ نہیں، جب کہ زندہ کے حق میں یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ہوسکتا ہے برا بھلا کہنے سے وہ اپنے اعمال بد سے باز آجائے۔

(۵) عن عائشة رضی الله عنها قالَتْ: لَمَّا ماتَ عُثْمَانُ بنُ مظعون رضی اللّٰه عنه، كشف النبیّ صلّى الله عليه وسلّم الثَّوْبَ عن وجْهِهِ، وَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وبكى بُكَاءً طويلاً، فلما رُفِعَ عَلَى السَّرِيرِ، قَالَ طوبى لَكَ يَا عُثْمَان! لَمْ تَلْبَسْكَ الدُّنْيَا وَلَمْ تَلْبَسْهَا (قال الحافظ ابن البر رونياه متصلاً مسندًا من وجه صحيح ذكرته فی التمهيد، الاستذكار، ج۸، ص٤١٢ فقره ١٢١٦٤)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں جب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی

وفات ہوئی، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے سے چادر ہٹائی اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور دیر تک روتے رہے اور جب انھیں تابوت پر اٹھایا گیا تو فرمایا: سعادتِ ابدی ہو تمہارے لیے اے عثمان نہ دنیا تم سے وابستہ ہوئی اور نہ تم نے اس سے تعلق رکھا۔

امام ابن عبدالبر اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "وفي الحديث من الفقه اباحة الثناء على المرء بما فيه من الاعمال الزكية" اس حدیث سے یہ شرعی مسئلہ معلوم ہوا کہ آدمی کے پاکیزہ اعمال کی ستائش جائز ہے۔

(۶) عن ابي الاحوص قال: بينما عبد الله يحدثهم اذ قال: ان معاذا كان امةً قانتاً لله حنيفاً.

ابوالاحوص نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے تلامذہ سے حدیث بیان کرنے کے دوران کہا: ان معاذا كان امة الخ .

ایک دوسری سند میں ہے کہ ان کے تلامذہ نے عرض کیا کہ آپ کو نسیان ہو گیا (یعنی صحیح "ان ابراہیم کان امۃ الخ" ہے اور آپ نے ان معاذا کہہ دیا) تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھولا نہیں ہوں؛ بلکہ میں نے معاذ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے "الامۃ" سے مراد معلم الخیر ہے، یعنی اچھائیوں کی تعلیم دینے والا، اور "القانت" بمعنی مطیع اور فرماں بردار ہے، اور معاذ ایسے ہی تھے۔ (سير اعلام النبلاء، ج١، ص٤٥١ واخرجه الحكام باسناد متعدده وصححه ووافقه الذهبي)

(۷) مشہور ظالم حکمراں حجاج بن یوسف ثقفی نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد جب انھیں مکہ معظمہ میں اس مقام پر جہاں سے مدینہ منورہ کو راستہ جاتا ہے سولی پر لٹکا دیا، تو حضرت عبداللہ بن عمر ایک دن اس مقام سے گزرے اور حضرت ابن الزبیر کو سولی پر لٹکا دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور تین مرتبہ کہا السلام علیکم یا اباخبیب (ابوخبیب عبداللہ بن زبیر کی کنیت ہے) پھر آخر میں ان کی

مدحت وستائش کرتے ہوئے فرمایا: "اما واللہ ان کنت - ما علمتُ - صوّامًا قوّامًا، وصولا للرحم" (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، ج۲، ص۵۵۲)
میرے علم کے مطابق آپ کثرت سے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے والے تھے اور اعزہ واقربا کے ساتھ بہترین معاملہ کرتے تھے۔

(۸) عن أنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: مَرُّوا بِجَنَازَةٍ فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَجَبَتْ ثُمَّ مَرُّوا بِأُخْرَى فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا، فَقَالَ: وَجَبَتْ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: مَا وَجَبَتْ؟ قَالَ: أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا، فَوَجَبَتْ لَهُ الجَنَّةُ، وَهَذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا، فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الأَرْضِ (اخرجه البخاری فی صحیح فتح الباری، ج۳، ص۲۹۳ رقم ۱۳۶۷)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ لوگ ایک جنازہ لے کر گزرے اور اس کے خیر کی ستائش کی، تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ''وجبت'' پھر ایک اور جنازہ لے کر گزرے تو اس کے شر کو بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وجبت'' عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ماوجبت؟ کیا چیز ثابت ہوگئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں نے جس کے خیر اور بھلائی کی مدح کی اس کے لیے جنت ثابت ہوگئی اور یہ دوسرا جس کو شر اور برائی سے متصف بتایا اس کے لیے نار جہنم ثابت ہوگئی، تم لوگ زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔

صحیح مسلم میں روایت کے الفاظ یہ ہیں "من اثنیتم علیه خیرًا وجبت له الجنة" "مَن" کے معنی میں عموم ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ثنائے خیر وشر کا یہ حکم کسی خاص طبقہ یا مخصوص جنازہ کے ساتھ مختص نہیں ہے؛ بلکہ اس میں عموم ہے ہر بندۂ مؤمن اس حکم میں داخل ہے۔

امام نووی شرح مسلم (ج۱، ص۳۰۸) میں اس حدیث کی تشریح کے تحت لکھتے ہیں کہ ''صحیح ومختار قول یہی ہے کہ جس مؤمن کی وفات کے موقع پر اللہ تعالیٰ

نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے دل میں اس کی ثناء علی الخیر کا الہام اور داعیہ پیدا کردیا اور زبان پر اس کی جاری بھی کردیا تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کرنا چاہتے ہیں اسی لیے تو اس ستائش کا الہام فرمایا، لہٰذا اس کا جنتی ہونا محقق ہوگیا، خواہ وہ اپنے اعمال کے اعتبار سے دخول جنت کا اہل ہو یا نہ ہو، اسی عموم کی صورت میں ثنائے خیر کا فائدہ ظاہر ہوگا اور اس قید کی صورت میں کہ جب اس کے اعمال دخول جنت کے مقتضی ہوں تب ثناء خیر سے وہ جنت کا اہل ہوگا، ثنائے خیر پر کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوگا؛ کیونکہ جب اپنے اعمال کی وجہ سے وہ دخول جنت کا اہل ہوگیا تو ثناء خیر ہو یا نہ ہو وہ جنتی ہوگا، جبکہ یہ متعین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی مصلحت اور فائدہ ہی کے لیے اس کی مدح وستائش کا حکم دیا ہے، لہٰذا یہی بات درست ہے کہ یہ ثناء علی الخیر ہر مؤمن کے لیے باعثِ دخول جنت ہے چاہے اس کے اعمال اس دخول کے مقتضی ہوں یا نہ ہوں۔ امام نووی کی اس تحقیق کو حافظ ابن حجر، حافظ سیوطی، علامہ سندھی وغیرہ شراح حدیث نے بھی اختیار کیا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً اسی مصلحت وحکمت کی بناء پر تاکید فرمایا ہے کہ "لا تذکروا موتاکم الا بخیر"، اپنے مردوں کو خیر اور بھلائی کے ساتھ ہی یاد کرو، واللہ اعلم۔

مدح میت کے دلائل پر مشتمل ان سات حدیثوں کے ذکر پر اکتفاء کیا جارہا ہے ورنہ یہ تحریر بہت طویل ہوجائے گی۔

ایک مغالطہ کا ازالہ

آج کل واٹس ایپ پر دو ورقی ایک تحریر گردش کررہی ہے جس میں محاسن موتی کی مشروعیت میں بطور دلیل مذکور اولین حدیث "اذکروا محاسن موتیٰ کم، وکفوا عن مساویہ" کو جو اپنے صیغے اور الفاظ میں عام ہے، اسے خلافِ اصول میت کی ایک خاص حالت کے ساتھ مختص باور کرانے کی سعی کی گئی ہے، اس

تحریر کی درج ذیل عبارت پڑھیے:

''اور پہلی حدیث (یعنی اذکروا محاسن الخ) کا مطلب درمختار میں -جو اپنے حواشی کے ساتھ مفتی بہ کتاب ہے- یہ لکھا ہے "یندب ستر موضع غسله فلا یراه الا غاسله ومن یُعینه، وان رأی به ما یکره لم یجز ذکره لحدیث اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساویه"

یعنی میت کو نہلانے والوں کے سامنے کوئی خوبی آئے جیسے جسم سے خوشبو آئے، یا چہرہ روشن ہوجائے تو ان خوبیوں کا تذکرہ کرنا چاہیے، تاکہ لوگوں میں نیک بننے کا جذبہ پیدا ہو، اور اگر میت کے جسم سے بدبو آئے، چہرہ کالا پڑ جائے، چہرہ قبلہ سے ہٹ جائے، یا کوئی اور عیب سامنے آئے تو خاموش رہنا چاہیے اس کا تذکرہ نہیں کرنا چاہیے۔''

اہل علم جانتے ہیں کہ درمختار اور اس کا حاشیہ معروف بہ فتاویٰ شامی شرح حدیث کی کتاب نہیں ہے؛ بلکہ فتویٰ کی کتاب ہے، جس میں شرعی مسائل اور ان کے دلائل مذکور ہیں، حدیث کی شرح اور معنی ومطلب کی تعیین اس کا موضوع نہیں ہے اور نہ صاحب درمختار نے اوپر مذکور اپنی اس عبارت سے حدیث کی مراد ومطلب بیان کیا ہے؛ بلکہ میت سے متعلق اس عبارت میں جو مسئلہ ذکر کیا ہے اس کی دلیل میں یہ حدیث نقل کی ہے، ان کے اس استدلال کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں مذکور لفظ "کفوا عن مساویه" میں ''مساوی'' عام ہے جو میت کے خراب اعمال واخلاق اور جسمانی عیوب وغیرہ سب کو شامل ہے، لہٰذا جس طرح کسی کے مرنے کے بعد اس کی سیئات اور گناہوں کا تذکرہ ممنوع ہے، اسی طرح اس کے اعضائے جسم میں ناپسندیدہ تغیرات کا ذکر بھی جائز نہیں ہے۔

درمختار میں مذکور یہ استدلال واضح اور بے غبار ہے جس سے حدیث کے الفاظ اپنے عموم واطلاق میں بحالہ باقی ہیں، مگر واٹس ایپ پر موجود تحریر میں ''یعنی''

کہہ کر درمختار کی عبارت کا جو معنی ومطلب بیان کیا گیا ہے، اس سے بظاہر مترشح ہورہا ہے کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں؛ بلکہ میت کی ایک خاص حالت یعنی اس کے بدن کے ناپسندیدہ تغیرات کے حکم میں محدود ہے، جبکہ نصوص کے عموم واطلاق میں بغیر دلیل کے تخصیص وتقیید خلاف اصول ہے، صاحب درمختار جیسا فقیہ دانستہ یہ ناروا بے اصولی نہیں کرسکتا ہے؛ بلکہ "یعنی" کہہ کر درمختار کی عبارت کی جو تشریح وتفصیل ذکر کی گئی ہے یہ اسی کا شاخسانہ ہے، درمختار کی عبارت کو ایک بار پھر ملاحظہ کیجیے:

"یندب ستر موضع غسله فلا یراه الا غاسله ومن یُعینه، وان رآی ما یکره لم یجز ذکره لحدیث اذکرو الخ"

میت کے بدن غسل کا چھپانا مندوب ومستحب ہے، لہٰذا ان اعضاء کو صرف غسل دینے والا یا غسل میں اس کا ہاتھ بٹانے والا ہی دیکھ سکتا ہے اور اگر غاسل میت کے جسم میں غیر پسندیدہ امر دیکھے تو اس کا ذکر جائز نہیں ہے بحکم حدیث اذکروا الخ درمختار میں وان رآی ما یکره لم یجز ذکره، کی دلیل میں حدیث پاک اذکروا محاسن موتاکم کفوا عن مساویه، کو نقل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث کا دوسرا جزء "یعنی وکفوا عن مساویہ" ہی، وان رآی ما یکره لم یجز ذکره کی دلیل ہے، اس لیے حدیث کے حصۂ اول یعنی "اذکروا محاسن موتاکم" سے صاحب درمختار نے کوئی تعرض نہیں کیا ہے، کیونکہ یہ جزء ان کے مقصد سے غیر متعلق ہے۔ جبکہ "یعنی" کہہ کر حدیث کے اس جزء اوّل کی بھی اپنے طور پر تفصیل بیان کی گئی ہے، دوسروں کی عبارت میں اس طرح کا ادراج علمی ثقاہت کے منافی ہے۔ اور اسی ادراج واضافہ سے حدیث کے عموم میں تخصیص پیدا کرنے کی سعی کی گئی ہے، "فاعتبروا یا اولی الابصار".

٦- نیاحة وندبة

لغت میں نیاحہ مصدر نُوح کا اسم ہے، چیخ کر رونے اور واویلا مچانے کو نوحہ

کہا جاتا ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ نوحہ کرنے والی عورتیں دو حصوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے مقابل بیٹھ جاتیں پھر بیان کرکے میت پر روتی پیٹتی تھیں، اسی بناء پر ان کو نوائح کہا جاتا ہے۔ اور ندبہ بھی دراصل نوحہ ہی کی ایک قسم ہے، وہ نوحہ جس کے الفاظ کے شروع میں واو ندبہ بڑھا دیا جائے جیسے وا جبلاه، وا کهفاه اس کو لغت عرب میں ندبہ کہتے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں نوحہ کی تعریف کی عبارت میں قدرے اختلاف ہے۔

(الف) فقہائے احناف بایں الفاظ نوحہ کی تعریف کرتے ہیں: البكاء مع ندب الميت، وقيل هي البكاء مع صوت.

یعنی میت کے محاسن بیان کرکے رونا اور کہا گیا ہے کہ نوحہ آواز کے ساتھ رونے کو کہتے ہیں۔

(ب) مالکیہ کی تعریف کا ماحصل یہ ہے کہ رونے کے ساتھ چیخ وپکار یا کلام مکروہ جمع ہو جائے تو وہ نوحہ ہو جائے گا، لہٰذا ان کے یہاں صرف رونا نوحہ نہیں ہوگا، یا چیخ وپکار تو ہو مگر بکاء یا کلام مکروہ نہ ہو تو اسے بھی نوحہ نہیں کہا جائے گا۔

(ج) حنابلہ اور بعض شوافع نوحہ کی تعریف یہ کرتے ہیں ورفع الصوت بالندب برنّة او بكلام مسجع.

بیان کرتے ہوئے بآواز غمگین زور سے رونا، یا قافیہ بند کلام کے ساتھ چیخ کر رونا۔

نوحہ کا حکم شرعی

ائمہ ثلاثہ: مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نوحہ حرام ہے اور احناف اسے مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔

حرمت کے دلائل

۱- آیت مبایعت میں فرمان الٰہی ہے: "ولا يَعصِيْنَكَ فِي مَعْرُوفٍ" اس

کی تفسیر میں متعدد صحابۂ کرام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ عصیان سے مراد نوحہ ہے، چنانچہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اخذ علینا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مع البيعة ان لا تنوح. (صحيح مسلم مع شرح النووی، ج۱، ص۳۰٤) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیعت کے وقت یہ عہد لیا تھا کہ نوحہ نہیں کرو گی۔

۲-عن ابی سعيد الخدری رضی اللّٰه عنه قال لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم النائحة الحديث رواه ابو داود فی السنن رقم ۳۱۲۸ واحمد فی المسند ۱٦٥/۳ رقم ۱۷۳۳) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی پر لعنت بھیجی ہے۔

۳-عن عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ليس منّا من ضرب الخدود وشق الجيوب دعا بدعوى الجاهلية، متفق عليه (مرقات، ج٤، ص۱۸۱-۱۸۲)

وہ شخص ہمارے طریقہ پر نہیں ہے جو رخساروں کو پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی پکار پکارے (یعنی رونے کے وقت اہل جاہلیت کے طریقے پر واجبلاہ وا کہفاہ وغیرہ نامناسب کلمات کہے)۔

حافظ ابن حجر نوحہ سے متعلق احادیث کے تحت لکھتے ہیں: "اخذ ائمتنا من هذه الاحاديث تحريم النوحه، وتعديد محاسن الميت بنحو واكهفاء مع رفع الصوت والبكاء، وتحريم ضرب الخد، وشق الجيب، ونشر الشعر، وحلقه ونتفه، و تسويد الوجه، والقاء التراب على الراس والدعاء بالويل والثبور، وقال امام الحرمين وآخرون: الضابط انه يحرم كل فعل يتضمن اظهار جزع ينافى الانقياد والتسليم لقضاء اللّٰه تعالىٰ (مرقات، ج٤، ص۱۸٤)

ہمارے ائمہ نے ان احادیث سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ (اظہار غم میں)

مندرجہ ذیل امور حرام ہیں:

نوحہ اور بلند آواز سے روتے ہوئے وا کہفاء جیسے جاہلی الفاظ کا کہنا، چہرہ پیٹنا، گریبان پھاڑنا، بالوں کو بکھیرنا، انھیں موڈنا، نوچنا، چہرہ سیاہ کرنا، سر پر مٹی ڈالنا، ہلاکت بربادی کی دعا کرنا، امام الحرمین وغیرہ علماء نے اس سلسلہ میں یہ ضابطہ بتایا ہے کہ ہر وہ کام جو ایسی بے چینی کو شامل ہو جو تسلیم ورضا کے خلاف ہو وہ حرام ہوگا۔

اوپر مذکور امور از قبیل نوحہ ہیں اور نوحہ کی حرمت پر فقہائے امت کا اتفاق ہے اگرچہ اس کی بعض تفصیلات میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، اس لیے اس سے زیادہ گفتگو کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

۶- الرثا

الموسوعة الفقهيه، ج ۲۲، ص ۹۸ میں رِ سا یعنی مرثیہ کے لغوی معانی حسب ذیل ذکر کیے گئے ہیں:

۱- الترحم على الميت والترفق له میت پر رحم کرنا، ترس کھانا، ۲- بکاؤہ، میت کو رونا، ۳- مدحہ وتعداد محاسنہ، میت کی مدح اور اس کی اچھائیوں کا شمار کرنا، ۴- اس کی مدح میں اشعار نظم کرنا۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے مرثیہ کا معنی ان الفاظ میں بیان کیا ہے "مدح المیت وذکر محاسنہ" میت کی ستائش اور اس کی اچھائیوں کا ذکر کرنا۔ (فتح الباری، ج ۳، ص ۲۱۱)

اور حافظ عینی لکھتے ہیں "الرثاء من رثيت الميت مرثية اذا عددت محاسنه" (عمدة القاری، ج ۸، ص ۸۸) رِثا، رثيت الميت مرثية سے ماخوذ ہے رثا اور مرثیہ کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب میت کی خوبیوں کو شمار کیا جائے۔

"الحکم التکلیفی" کے عنوان سے مرثیہ کا شرعی حکم الموسوعۃ الفقہیہ میں یہ بیان کیا گیا ہے۔

جاء فی الدرالمختار من کتب الحنفیۃ انہ لا بأس بترثیۃ المیت بشعر او غیرہ، لکن یکرہ الافراط فی مدحہ لا سیما عند جنازتہ، وذکر النووی فی المجموع عن صاحب التتمۃ ان یکرہ ترثیۃ المیت بذکر آبائہ وخصائلہ و افعالہ، والاولیٰ الاستغفار لہ، وذکر الحنابلۃ ان ما ھیج المصیبۃ من وعظ او انشاد شعر فمن النیاحۃ ای: المنھی عنھا قالہ الشیخ تقی الدین. (ج۲۲، ص۹۸)

الدرالمختار یکے از کتب احناف میں ہے کہ شعر یا غیر شعر میں میت کا مرثیہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ میت کی مدح میں افراط اور زیادتی بالخصوص جنازہ کے وقت مکروہ ہے۔

اور امام نووی نے صاحب تتمہ کے حوالہ سے "المجموع" میں ذکر کیا ہے کہ میت کا مرثیہ اس کے آباء اور فضائل واعمال کے تذکرہ کے ساتھ مکروہ ہے اور (مرثیہ سے) بہتر اس کے حق میں دعائے مغفرت ہے۔

اور حنابلہ نے بیان کیا ہے جو وعظ اور شعر گوئی مصیبت کو برانگیختہ کرے اور اکسائے وہ از قبیل نوحہ ہے یعنی ممنوع ہے۔

امام علامہ قرافی مالکی متوفی ۶۸۴ھ نے اپنی معروف ترین بے نظیر تصنیف "کتاب الفروق" میں "الفرق المأۃ بین قاعدۃ النواح حرام، وبین قاعدۃ المراثی مباحۃ" کے تحت مسئلہ زیر بحث پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور اپنی عادت کے مطابق بڑی محققانہ گفتگو کی ہے، چونکہ ان کی بحث تقریباً چار پانچ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس لیے ان کی یہ بحث وتحقیق بلفظہ اس مختصر تحریر میں نقل نہیں کی جاسکتی ہے، اس لیے اس موقع پر حاصل بحث اور تحقیق کا خلاصہ درج کیا جارہا ہے جو بندہ کی فہم کے مطابق یہ ہے۔

وہ (منظوم یا منثور) مرثیے جن میں قضائے الٰہی پر اعتراض یا ناگواری وناراضگی کا اظہار ہو، یا میت کی مدح وستائش میں اس قدر مبالغہ ہو جس سے یہ تاثر ہو کہ ایسی بے بدل صفات کی حامل شخصیت کی موت خلاف حکمت ومصلحت ہے، اس طرح کے مضامین پر مشتمل مراثی حرام ہیں۔

یا مرثیہ میں مذکورہ نوع کے مضامین تو نہیں ہیں، لیکن اس میں ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہوں جو غمِ مرگ کو برانگیختہ کرتے اور ابھارتے واکساتے ہیں تو فرق درجہ کے ساتھ یہ مرثیہ بھی حرام ہے۔

اور اگر مرثیہ میں اس طرح کی بے جا مبالغہ آرائی کے بجائے اس میں میت کے علم ودین کا تذکرہ ہو اور یہ کہ یہ حادثہ موت کوئی انوکھا نہیں ہے؛ بلکہ وہ امر واقعی ہے جس میں ساری مخلوق یکساں شریک ہے اور ایسا باب ہے جس میں داخلہ لابدی ہے، وغیرہ تو ایسا مرثیہ جائز ومباح ہے اور اگر اسی کے ساتھ مرثیہ میں میت کے پسماندگان کو صبر اور تسلیم ورضا کی تلقین وغیرہ ہو تو یہ مرثیہ مندوب ہوگا۔

امام قرافی نے مرثیۂ حرام اور مرثیۂ مباح کی مثالیں بھی بیان کی ہیں چنانچہ مرثیۂ مباح کی مثال میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بھائی عاصم بن عمر رضی اللہ عنہما کی وفات پر جو مرثیہ کہا تھا اس کے چار اشعار نقل کیے ہیں اور مرثیۂ حرام کی مثال میں لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں خلیفۂ بغداد کے انتقال کے موقع پر الملک الصالحؒ نے ایک محفل تعزیت منعقد کی جس میں اکابر واعیان اور علماء وشعراء جمع ہوئے، اس موقع پر ایک شاعر نے خلیفہ کا مرثیہ سنایا جس کے ایک شعر میں اس نے خلیفہ کی مدح میں مبالغہ کی ساری حدیں پار کردیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے عظیم القدر کی موت ہوئی ہے کہ ملک الموت جس کے لشکر کے ایک سپاہی تھے اور قضا جس سے خوف کھاتی تھی، اس محفل میں سلطان العلماء شیخ عزالدین بن عبدالسلام بھی تھے انھوں نے جب یہ شعر سنا تو اس شاعر کی تادیب کے ساتھ قید کا حکم دیا اور شعر کی قباحت کو اچھی طرح سے بیان کیا، چنانچہ ان کے حکم کے مطابق

اسے جیل میں ڈال دیا گیا۔

امام قرافی آخر میں لکھتے ہیں: "فظهر لك بهذا البسط والتقرير الفرق بين النواح المحرم من غيره، والرثاء المحرم من غيره بتقرير القواعد المتقدمه، فقس عليه ما يرد عليك من ذلك في البابين" (دیکھئے کتاب الفروق، ج۲، ص از ۶۱۶-۶۲۰ مع دراسة وتحقيق ڈاکٹر محمد احمد سرّاج وعلی جُمعة محمد مطبوعه دارالسلام القاهره الطبعة الثانية ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

امام قرافی کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ علی الاطلاق نہ مرثیہ حرام اور منہی عنہ ہے اور نہ مباح وجائز ہے؛ بلکہ اس کا مدار مرثیہ کے مضمون پر ہے، اگر مرثیہ کا مضمون خلاف شرع ہے تو وہ حرام ہے اور اگر شرعی دائرہ میں ہے تو وہ مباح اور جائز ہے، یہی فیصلہ حافظ ابن حجر کا بھی ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں مروی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا ندبہ جس میں انھوں نے "يا ابتاه اجاب ربًا دعاه، يا ابتاه من جنة الفردوس ما واه، يا ابتاه الى جبريل ننعاه" کے الفاظ سے اپنے غم کا اظہار کیا تھا۔ اس پر حافظ لکھتے ہیں فيوخذ منه ان تلك الالفاظ اذا كان الميت متصفا بها لا يمنع ذكره لها بعد موته، بخلاف ما اذا كانت فيه ظاهرًا وهو في الباطن بخلافه اولا يتفق الفاظه بها فيدخل في المنع" (فتح الباری، ج۸، ص۱۸۹ باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس ندبہ سے یہ مسئلہ ماخوذ ہوگا کہ میت کے بارے میں جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اگر میت واقعی طور پر اس سے متصف ہے تو ان الفاظ کا اس کے موت کے بعد ذکر کرنا ممنوع نہیں ہوگا اور اگر بظاہر تو میت اس سے متصف ہے مگر باطن میں اس کے برخلاف ہے یا الفاظ کا مفہوم ظاہراً وباطناً کسی صورت میں میت پر چسپاں نہیں ہوتا تو یہ منہی عنہ اور ممنوع میں داخل ہو جائے گا۔

علاوہ ازیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کثرت اور تاکید کے ساتھ ثناء میت علی الخیر کا حکم دیا ہے اس کا بھی تقاضا یہی ہے کہ مرثیہ علی الاطلاق ممنوع نہ ہو؛ کیونکہ میت کی مدح سرائی اور اس کے ذکر خیر ہی کا نام مرثیہ ہے، لہٰذا اطلاق کی صورت میں خود شارع کے حکم میں تعارض ہو جائے گا جو اصولاً درست نہیں ہے۔

امام خطابیؒ اپنی تالیف ''غریب الحدیث'' میں لکھتے ہیں:

"والذی ذکرہ من المراثی النیاحة وما یدخل فی معناها من التابین المیت علی ما جری علیه مذاهب أهل الجاهلیة من قول المراثی ونصب النوائح علی قبور موتاهم، فاما المراثی التی فیها ثناء علی المیت ودعاء له فغیر مکروهة وقد رثی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم غیر واحد من الصحابة، وندبته فاطمة بکلام مذکور عنها، ورثی ابوبکر وعمر و غیرهما من الصحابة بمراث رواها العلماء ولم یکرهو انشادها، وهی اکثر ان تحصیٰ" (ج۱، ص۶۴۹-۶۵۰)

امام خطابی کی اس تحریر کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں مراثی سے جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ مطلق نہیں ہے؛ بلکہ اس سے مراد وہ مراثی ہیں جو اہل جاہلیت کے یہاں جاری تھے، رہے وہ مرثیے جو میت کی ستائش اور اس کے حق میں دعا پر مشتمل ہوں وہ مکروہ وناپسندیدہ نہیں ہیں خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد صحابہ کا رثا کیا ہے (یعنی ان کے مرنے کے بعد ان کے محاسن اور خوبیوں کا ذکر فرمایا ہے) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایسے الفاظ سے آپ کی وفات پر اظہار غم کیا جو کتب حدیث میں ان سے منقول ہیں (ان الفاظ کا ذکر بحوالہ صحیح بخاری اوپر کی سطور میں کیا جا چکا ہے) حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مرثیے کہے گئے ہیں جنھیں علماء نے روایت کیا ہے، مرثیہ خوانی کو یہ حضرات مکروہ نہیں سمجھتے تھے، یہ مرثیے اس قدر ہیں کہ انھیں شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

امام خطابی کا یہ قول کہ حدیث "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المراثي" سے مطلق مرثیوں کی ممانعت مراد نہیں ہے؛ بلکہ اس سے صرف جاہلی (اوران کے ہم معنی) مراثی سے ممانعت مقصود ہے، حدیث کا یہ تخصیصی معنی خود راوئ حدیث عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، مسند احمد میں واقع اس حدیث کے الفاظ دیکھئے:

"قَالَ: فَسَمِعَ امْرَأَةً تَلْتَدِمُ، وَقَالَ مَرَّةً تَرْثِي، فَقَالَ: مَهُ أَلَمْ أَنْهَكُنَّ عَنْ هَذَا؟ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْهَى عَنِ الْمَرَاثِي، لِتُفِضْ إِحْدَاكُنَّ مِنْ عَبْرَتِهَا مَا شَاءَتْ" (ج ٤، ص ٣٨٣ رقم ١٩٦٣٧)

ہجری نے کہا حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے سنا کہ ایک عورت اپنے چہرے اور سینے کو پیٹ رہی ہے۔ راوی کہتے ہیں ہجری تلتدم کے بجائے کبھی "ترثی" کے الفاظ بیان کرتے تھے۔ تو ابن ابی اوفیؓ نے فرمایا سینہ کوبی سے باز آجاؤ کیا میں نے تم عورتوں کو اس سے منع نہیں کیا ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مراثی سے منع فرماتے تھے، چاہیے کہ تم سے ہر ایک جس قدر چاہے اپنے آنسو بہائے۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ سینہ پیٹنے سے منع کیا اور فرمایا کیا میں نے تمہیں اس سے منع نہیں کیا ہے؟ اور آپ نے اس منع کرنے کی وجہ یہ ذکر کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراثی سے منع کرتے تھے اور رونے کی اجازت دی، جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اسی رونے کو مراثی سمجھتے ہیں جس میں سینہ کوبی بھی ہو، اسی لیے سینہ پیٹنے سے منع کیا اور رونے کی اجازت دی اور یہ بات معلوم ومعروف ہے کہ جاہلیت کے مرثیوں میں رونے کے ساتھ سینہ کوبی بھی ہوتی تھی۔

حافظ ابن حجر، امام قرافی اور امام خطابی جیسے جبال علم سب بیک زبان کہہ رہے ہیں کہ مراثی علی الاطلاق ممنوع نہیں ہیں اور یہی بات راوی حدیث صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہورہی ہے۔ اور بقول امام خطابی خود اللہ کے

رسول نے بعض صحابہ کا رثا کیا ہے، صحابہ کی ایک جماعت سے مرثیہ گوئی ثابت ہے اور علماء نے ان مرثیوں کی روایت کی ہے، (آئندہ سطور میں اس کی قدرے تفصیل پیش کی جائے گی) اس سب کے باوجود حدیث پاک "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المراثى" کے اطلاق کو بنیاد بنا کر آج اکابر دارالعلوم دیوبند کی ایک جماعت کے علم وعمل سے بے اعتمادی پیدا کرنے کی ناروا ولائق مذمت کوشش کی جارہی ہے، پھر یہ جماعت جن افراد پر مشتمل ہے ان میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی جیسے صاحب بصیرت عالم ہیں جن کی ذہانت وفراست، معلومات کی وسعت اور اصابت رائے معروف زمانہ ہے، حضرت محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیری ہیں جن کی عبقریت اور علمی تحقیقات جماعت دیوبند کے لیے علمی دنیا میں سرمایۂ سربلندی ہے، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ہیں جو برصغیر کے دیوبندی مفتیان کرام میں علی الاطلاق مفتی اعظم ہیں، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی اور شارح مسلم مفسر قرآن مولانا شبیر احمد عثمانی ہیں جن کی علمی متانت اور تصنیفی وتدریسی خدمات عالم آشکارا ہے، آہ آج انھیں حاملین علم ودین اور علم وہدایت کے میناروں پر تنقیص کا غبار اڑایا جارہا ہے۔

وہ لوگ تو نے ایک ہی شوخی میں کھودئے
پیدا کیے فلک نے تھے خاک چھان کے

اور یہ سب اس جرم بے گناہی میں کیا جارہا ہے کہ ان بزرگوں نے طبقہ دیوبند کے معروف ترین، پاک نفس عالم دین اور مرشد کامل حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری خلیفہ رشید حضرت قطب ارشاد مولانا گنگوہی کی وفات حسرت آیات پر ایک جلسہ میں ان کے مناقب وفضائل پر مشتمل قصائد مدحیہ یا بالفاظ دیگر مرثیے پڑھے تھے۔ جس میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور ان کے بعد فخر اماثل محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیری دونوں بزرگوں نے اس کی وضاحت کردی تھی کہ آج ہم جو کچھ بیان کریں گے وہ اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی

تعمیل ہوگی جس میں مسلمانوں کو مر کر جدا ہو جانے والوں کا ذکر خیر کے ساتھ کرنے کا مامور کیا گیا ہے اور اسی کے ساتھ نوحہ جاہلیت اور ثناء علی الاموات میں شرعاً فرق کو بھی واضح کر دیا تھا چنانچہ:

(۱) اس جلسہ کی کارروائی جو دارالعلوم دیو بند کے ترجمان ماہنامہ القاسم میں شائع ہوئی ہے، اس میں بصراحت موجود ہے کہ اس جلسہ میں حضرت رائے پوری قدس سرہ کے اوصاف وخصائص مثلاً ان کی فراست، ذکاوت، اصابت رائے، مناقشات ومجادلات سے تحرز، مردشناسی اور ہر شخص کی اس کے مرتبہ کے موافق قدردانی کا ذکر کیا گیا۔

اوپر مذکور عنوان ''تذکرہ محاسن موتی'' کے تحت ابن المنیر اور امام نووی کی یہ صراحت مذکور ہے کہ وفات یافتگان کے اوصاف وفضائل اور ان کی خوبیوں کا ذکر مشروع ومستحب ہے اور اس عنوان کے تحت جن سات احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نقل کیا گیا ہے وہ بھی ناطق ہیں کہ ثناء میت علی الخیر مطلوب ومحمود؛ بلکہ مامور بہ ہے اور اس جلسہ کے آغاز میں حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ نے بھی اس کی وضاحت کردی تھی۔

سابقہ سطور میں حافظ ابن حجر، علامہ قرافی اور مشہور ومعتمد شارح حدیث اور عالم لغت امام خطابی کا یہ اتفاقی فیصلہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ علی الاطلاق ہر طرح کے مراثی ممنوع نہیں ہیں؛ بلکہ زمانۂ جاہلی اور ان کے ہم معنی مراثی ہی کی ممانعت کی گئی امام خطابی نے اپنی تصنیف غریب الحدیث میں صراحت کی ہے کہ حضرات صحابہ نے اپنے محبوب ومحترم وفات یافتگان کے مرثیے کہا ہے نیز مرثیہ پڑھنے کو مکروہ بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔

ہمارے سامنے "ألا یا عین ابکی" نامی کتاب ہے، جو دار طیبۃ الخضراء مکہ مکرمہ سے ۱۴۳۲ھ میں شائع ہوئی ہے، اس کتاب میں سترہ صحابی وصحابیات کے وہ مراثی جمع کیے گئے ہیں جن میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ان

حضرات نے کہے تھے ان سترہ مرثیہ نگاروں میں بعض اکابر صحابہ وصحابیات یہ ہیں۔
ابوبکر صدیق، عمر فاروق، علی مرتضٰی، بنت رسول فاطمۃ الزہرا، ام المؤمنین ام سلمہ، حسان بن ثابت، ابوسفیان بن حارث، کعب بن مالک وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

علاوہ ازیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بھائی عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ کی وفات پر جو مرثیہ کہا تھا اس کا ذکر اوپر کی سطور میں کیا جاچکا ہے، اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی غزوۂ احد میں شہادت پر کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے جو مرثیہ کہا تھا وہ بھی اہل علم بالخصوص علمائے ادب ولغت میں معروف ومشہور ہے، سچ تو یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب علم ان مرثیوں کی تلاش وتتبع کرے تو اسے عہد صحابہ سے لیکر عصر حاضر تک تسلسل وتواتر کے ساتھ علماء وفضلاء اور ادباء وشعراء کے بے شمار مراثی دستیاب ہوجائیں گے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تصنیف ”بستان المحدثین“ میں بھی بعض ائمہ حدیث پر کہے گئے مراثی موجود ہیں۔

اکابر رحمہم اللہ کے طریق عمل پر نکیر کی حیثیت

(۱) اس لیے حضرات اکابر رحمہم اللہ نے اس مذکورہ جلسہ میں جو مراثی پڑھے ہیں اس کے جواز پر شک وتردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ جو عمل عہد صحابہ سے تسلسل کے ساتھ امت میں جاری وساری ہو اس پر دانستہ شک وتردد اور اشکال واعتراض دینی اعتبار سے انتہائی خطرناک ہے۔

(۲) اس روداد میں یہ وضاحت ہے کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے جب اپنا بزبان اردو لکھا ہوا مرثیہ سنایا تو اس کا ایسا اثر ہوا کہ ضبط گریہ مشکل ہوگیا اور شرکاء جلسہ باوجود ضبط کے بلند آواز سے رو پڑے۔

مقالہ زیر نظر کے عنوان ”۲-البکاء“ میں بحوالہ ”الموسوعۃ الفقہیہ“ یہ فقہی جزیہ نقل کیا گیا ہے۔

(الف) اگر رونا صرف آنکھوں سے ہو تو باتفاق فقہاء جائز ہے اور اگر شدت گریہ سے روکنے کے باوجود آواز بلند ہو جائے تو یہ بھی باتفاق جائز ہے۔

(ب) گریہ بآواز جس میں نوحہ، سینہ کوبی، گریباں چاکی وغیرہ نہ ہو تو فقہائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں جائز ہے، البتہ فقہائے موالک یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ رونا ایسے اجتماع میں نہ ہو جو رونے کی غرض سے اکٹھا کیا گیا ہو۔

(ج) الموسوعۃ الفقہیہ، ج ۸، ص ۱۷۳ میں حضرات شافعیہ کے مذہب کی تفصیل کے ذیل میں ہے "وان کان البکاء علی المیت... لصلاح وبرکۃ وفقد نحو علم فمندوب"

ان جزئیات سے معلوم ہوا کہ جلسہ میں بآواز جو گریہ ہوا وہ بحد جواز تھا، بلکہ حضرات شوافع کے مذہب کے اعتبار سے گریہ مندوب تھا۔ اس تفصیل سے یہ امر صبح روشن کی طرح نمایاں ہو گیا کہ اکابر دار العلوم رحمہم اللہ نے اس جلسہ میں جو امور انجام دیے وہ عدم تنقیح کے اندھیرے میں نہیں؛ بلکہ علم وبصیرت کے پورے اجالے میں اسے انجام دیا تھا۔ لہٰذا ان کے بارے میں یہ کہنا کہ مسئلہ کی تنقیح کے بغیر انھوں نے یہ کام کیے خود اپنی لاعلمی کا اظہار یا جسارت بیجا ہے اور اسے نوحہ محرمہ قرار دینا اس سے بڑی جسارت ہے (اللہ تعالیٰ ہم اخلاف کو اسلاف پر اس نوع کے تبصرے سے محفوظ رکھے)

(۳) جلسۂ تعزیت کے نام سے ان اجتماعات کا مروجہ مجالس عید میلاد النبی پر قیاس درست نہیں ہے؛ کیونکہ عید میلاد النبی کے جلسوں میں جو شرعی مفاسد ہیں ان کا ان جلسوں سے دور کا بھی تعلق نہیں، پھر یہ امر بھی لائق ملحوظ ہے کہ یہ اجلاس محض نام کے ہی تعزیتی ہیں، فی الواقع یہ محاسن موتی کے تذکار، اس کے استغفار اہل میت کے لیے صبر واجر کی دعا پر مشتمل ہوتے ہیں لہٰذا ان پر تعزیت کے احکام چسپاں نہیں ہوتے، کیونکہ اعتبار مسمّٰی کا ہوتا ہے اسم کا نہیں، واللہ اعلم۔

(۴) چونکہ عام طور پر جلسہ کی افتتاحی تقریر میں اس کے اغراض ومقاصد پر

روشنی ڈال دی جاتی ہے، اسی عام روش کے مطابق حضرت مولانا عثمانی مددگار مہتمم رحمہ اللہ نے آغاز جلسہ میں اختصار کے ساتھ بیان کردیا تھا کہ حدیث پاک اذکروا محاسن موتاکم کی تعمیل میں حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کے اوصاف وفضائل اور محامد ومحاسن کے تذکرہ کی غرض سے یہ مجلس منعقد ہوئی ہے، لیکن اس امر واقعی کو نظر انداز کرکے خدا جانے کس داعیہ کے تحت حضرات اکابر کو خطا کاروں کی صف میں کھڑا کرنے کے لیے یہ دور کی کوڑی لائی گئی کہ، "جلسہ تعزیت میں جو اکابر نے دفع دخل مقدر کیا ہے کہ ہم جو کچھ کررہے ہیں وہ اذکروا محاسن موتاکم پر عمل ہے، اس میں اشارہ ہے کہ اس جلسہ میں اس کو منکر سمجھنے والے بھی تھے ورنہ دفع دخل مقدر کی کیا ضرورت تھی" بلفظہ

جلسہ کی مطبوعہ کارروائی سے ظاہر ہے کہ یہ عمومی نہیں؛ بلکہ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ طلبہ وغیرہ کا خصوصی اجتماع تھا جس میں حضرت رائے پوریؒ سے عقیدت وارادت رکھنے والے شہر دیوبند کے لوگ بھی شریک ہوگئے تھے، سوال یہ ہے کہ عقیدت کیشوں اور وفاشعاروں کی اس مجلس خاص میں منکرین کہاں سے آگئے؟ پھر یہ منکرین کیسے صاحب کرامت ہیں کہ ایک صدی سے بھی زائد مدت تک ان کا کوئی سراغ نہیں ملا اور اب جو سراغ ملا ہے تو صاف صریح نہیں؛ بلکہ اشارہ سے اور اشارہ بھی ایسا ہے کہ فرد واحد کے ماسوی کوئی اور سمجھ نہ سکا "یاللعجب"

لہٰذا ہر صاحب ہوش وخرد سمجھ سکتا ہے کہ یہ بے موقع دفع دخل مقدر کا شوشہ، اختراع محض ہے، جو عقل وقیاس سے بعید تر ہے۔ رہی یہ بات کہ اکابر رحمہم اللہ کا وہی عمل حجت ہے جو قرآن وسنت اور قرون ثلاثہ سے مؤید ہو تو اوپر کی تفصیلات سے یہ بات بدلائل معلوم ہوچکی ہے کہ اس جلسہ میں اکابر نے جو کچھ کیا وہ حدیث اور صحابہ کے عمل کے عین مطابق ہے، تو پھر یہ کیوں تاثر دیا جارہا ہے کہ اکابر کا یہ عمل حدیث اور قرون ثلاثہ کی تائید سے محروم ہے۔

اوپر مذکور یہ تفصیلات مظہر ہیں کہ جلسہ زیر بحث سے متعلق اکابر رحمہم اللہ کے

طریق کار پر جتنے اعتراضات کیے گئے ہیں وہ سب کے سب بے بنیاد ہیں جس سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اکابر کی ایک جماعت کے علم وفہم اور حمایت دین کے مقابلہ میں اپنے تنہا ویکہ علم وفہم پر بیجا اعتماد کرلیا گیا ہے، حالانکہ اہل حق کے یہاں "فضل علم السلف علی الخلف" مسلمات میں سے ہے اور اس فہم ورائے میں جب حاملین علم و دین کی ایک سربرآوردہ جماعت ہو تو اس کے خلاف فیصلہ سنانے میں ہزار بار سوچنا چاہیے؛ کیونکہ یہ بھی مسلم ہے کہ ایک کے مقابلہ میں پوری جماعت کا فیصلہ اقرب الی الصواب ہوا کرتا ہے۔ اللّٰهم احفظنا منه.

اندکے از تو بگفتم وبدل ترسیدم
کہ تو آزردہ شدی ورنہ سخن بسیارست

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين.

حبیب الرحمٰن اعظمی
۲۱/ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ

ضمیمہ

جلسۂ تعزیت اور سمینار کا شرعی حکم

پر

ایک نظر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم. اما بعد!

ہمارے پیش نظر اس وقت دو ورقہ ایک مضمون ہے، جس کا عنوان ہے ''جلسۂ تعزیت اور سمینار کا شرعی حکم'' (از) بندہ محمد امین پالن پوری خادم حدیث وفقہ، ومرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ومحاضر بر موضوع رضاخانیت'' اس مضمون کی تحریر کی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے ''میں دارالعلوم دیوبند میں رضاخانیت کے موضوع پر محاضرات دیتا ہوں اس لیے سنت وبدعت کے درمیان خط امتیاز کھینچنا میری ذمہ داری ہے''

جس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ مضمون میں تعزیتی جلسوں اور سمیناروں کا بدلائل صحیحہ شرعی حکم واضح کیا جائے گا، چنانچہ اسی داعیہ سے یہ مضمون پڑھا اور مکرر پڑھا، مگر بجز مایوسی کے کچھ ہاتھ نہیں لگا؛ کیونکہ دونوں امور کے بارے میں نہ تو کوئی صحیح اور دعوی کے مطابق دلیل پیش کی گئی ہے اور نہ ہی متعین طور پر ان دونوں مسائل کا شرعی حکم بیان کیا گیا ہے، البتہ مضمون کے سیاق اور اسلوب بیان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا موصوف ان دونوں امور کو خلاف شریعت اور بدعت باور کررہے ہیں، مگر نہ جانے کیوں قارئین پر صریح الفاظ میں اپنے عندیہ کو ظاہر کرنے سے گریز کر گئے ہیں۔

مضمون کا مرکزی عنوان، اپنا نام، اپنے مناصب کی وضاحت اور مضمون تحریر کرنے کی وجہ بیان کرنے کے بعد یہ ذیلی عنوان قائم کیا ہے "دیوبندیت اتباع شریعت اور پیروئ سنت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے"۔

بلاشبہ دیوبندیت اسی کا نام ہے اور ابتدائے قیام دارالعلوم سے ماضی قریب تک کے اکابر دیوبند رحمہم اللہ نے اپنے قول وتحریر ہی سے نہیں بلکہ اپنے عمل وکردار سے یہ عالم آشکارا کردیا ہے کہ بدعت سے اجتناب اور سنت پر عمل ہم دیوبندیوں کا شیوہ اور بنیادی طریقہ ہے۔ اس عنوان کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کے تحت حضرات اکابر رحمہم اللہ کے قول وعمل سے اس دعویٰ کو مدلل کیا جاتا؛ مگر اس کے بجائے لکھتے ہیں کہ باقیات فتاوئ رشیدیہ اور براہین قاطعہ وغیرہ میں جگہ جگہ یہ صراحت ہے کہ "حجت شریعت میں قرآن وسنت اور فقہ ہے اور بس" آگے لکھتے ہیں اور براہین قاطعہ میں ایک جگہ ہے "ہم کو بعد دلائل اربعہ کیا حاجت مردم شاری کی"۔

عقل حیران ہے کہ اس عنوان کے تحت باقیات فتاوی رشیدیہ اور براہین قاطعہ کے ان اقتباسات کو نقل کرنے کا یہ کیا موقع تھا آخر دارالعلوم کے اکابر واصاغر میں سے وہ کون سے لوگ ہیں جو یہ نہیں مانتے ہیں کہ شریعت میں حجت صرف قرآن وسنت اور فقہ ہی ہے، یا ان کا کوئی عمل قرآن وسنت اور فقہ کے برخلاف ہے جن کو ان اقتباسات کے ذریعہ متنبہ کیا جارہا ہے، پھر ہم اصاغر اپنے اکابر رحمہم اللہ کے قول وعمل پر جو اعتماد کرتے ہیں تو انھیں دین میں حجت سمجھ کر نہیں؛ بلکہ اپنے اس علم ویقین کی بنیاد پر کہ حضرات اکابر شریعت وسنت پر مکمل پیروی کی بناء پر ہمارے لیے نمونۂ عمل ہیں تو کیا ہم اصاغر کو یہ سمجھایا جارہا ہے، اکابر کی یہ جماعت اس اعتماد کے لائق نہیں ہے، آخر ان اقتباسات کا کیا مقصد ہے؟

پھر اسی عنوان کے تحت ان اقتباسات کے بعد حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کے ایک فتویٰ کا آخری حصہ نقل کیا ہے، جس سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ شاید مولانا موصوف اپنے اس عنوان اور اس کے مندرجات کے

ذریعہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ۱۳۳۷ھ میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کی وفات کے موقع پر اکابر دارالعلوم دیوبند کی ایک بڑی جماعت نے (جن میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کے ساختہ پرداختہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیری اور مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی عزیزالرحمٰن عثمانی بھی شامل تھے) احاطۂ دارالعلوم دیوبند میں ایک جلسہ کے دوران تقریریں کی تھیں اور مرثیے پڑھا تھا'' اکابر کا یہ عمل ہمارے لیے حجت نہیں؛ بلکہ حجت قرآن وسنت اور فقہ ہے، پھر حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کے فتویٰ کے ذریعہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ان کا یہ عمل حدیث وفقہ کے مطابق بھی نہیں ہے۔
اگر واقعی مولانا پالن پوری کا اس عنوان سے یہی مقصد ہے تو ہم صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ حضرات اکابر کے اس عمل کو جو لوگ حدیث وفقہ کے خلاف سمجھتے ہیں، وہ خود اپنی کوتاہ نظری کی شہادت دے رہے ہیں، ان حضرات کا یہ اجتماع اور اس میں مراثی کا پڑھنا وغیرہ کوئی ایک عمل بھی خلافِ شریعت نہیں تھا۔ ہم اپنے طویل مقالہ بعنوان ''میت پر اظہارِ غم کے مسائل ودلائل'' میں تفصیل کے ساتھ قوی ومعتمد دلائل سے اس کو بیان کر چکے ہیں، حضرات اکابر رحمہم اللہ کے علم وعمل پر یہ بے اعتمادی درحقیقت اعجاب برایہ کا ثمرہ ہے پھر بھی اگر کسی کو یہ اصرار ہے کہ اکابر کا یہ عمل خلاف شریعت تھا تو وہ اپنے اس دعوی کو قابل اعتماد دلائل سے مدلل کرے ''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے'' حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کے فتوی کا یہ آخری حصہ جو انھوں نے نقل کیا ہے، یقین کر لیجیے کہ یہ نقل یکسر بے محل ہے کیونکہ حضرت مفتی صاحب نے اس فتویٰ میں انفرادی یا اجتماعی تعزیت کا حکم بیان ہی نہیں کیا ہے اور نہ مستفتی نے اس کے متعلق فتوی دریافت کیا تھا۔ ملاحظہ کیجیے مستفتی کا سوال اور حضرت مفتی صاحب کا جواب۔

(سوال) قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "اذا حضرتم المریض أو المیت فقولوا خیرًا فإن الملائکة یؤمنون علی ما تقولون"

مرقومہ حدیث سے میت پر دعا کرنا قبل دفن جمعاً ثابت ہوتا ہے یا فرداً فرداً؟

(جواب) جمع کے صیغے میں اگر مخاطب عام مؤمنین ہوں کوئی معین جماعت نہ ہو تو اس میں فعل کے اجتماعی یا انفرادی کیفیت پر ادا کیے جانے سے کوئی تعرض نہیں ہوتا اور اگر مخاطب کوئی خاص جماعت ہو اور کوئی قرینہ موجود ہو کہ سب سے ایک ہی وقت ایقاع فعل مقصود ہے تو اجتماع پر دلالت ہوتی ہے ورنہ نہیں، حدیث مذکورہ فی السوال میں خطاب عام مؤمنین کو ہے، لہٰذا اس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ ہر مسلمان جب کسی مریض کی عیادت یا کسی میت کی تجہیز و تکفین کے لیے جائے تو اسے چاہئے کہ بری بات زبان سے نہ نکالے جو کچھ کہے وہ مریض کی بھلائی، عافیت، تسکین یا میت کی مغفرت یا ذکر خیر کے الفاظ ہوں تا کہ فرشتے جو ایسے وقت مریض و میت کے لیے دعا مانگنے والوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں، تمہاری اچھی دعاؤں پر آمین کہیں، جانے والا ایک ہو یا دو یا زیادہ بھی ہوں، تاہم ان کے لیے قصد اجتماع کا حکم حدیث میں نہیں ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اتفاقاً اجتماع فی الدعا ہو جائے تو مضائقہ بھی نہیں۔ (کفایت المفتی، ج۴، ص۶۹)

جواب مکمل کر لینے کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے حدیث مذکور کی نظیر میں "لقنوا موتاكم لا إله إلا الله" الحديث "اقرؤا سورة يٰسين على موتاكم" (رواہ احمد) "اغسلوا بماء وسدر (متفق عليه) اذكروا محاسن موتاكم" کو نقل کیا ہے کہ ان جملہ احادیث میں عام مؤمنین مخاطب ہیں اس لیے ان سب میں فعل کے اجتماعی یا انفرادی کیفیت پر ادا کیے جانے سے کوئی تعرض نہیں ہے، کوئی بتائے کہ تعزیتی جلسوں سے اس فتویٰ کا کیا تعلق ہے، حضرت مفتی صاحب تو لکھ رہے ہیں کہ اس طرح کی حدیثوں میں فعل کے اجتماعی یا انفرادی کیفیت سے ادا کیے جانے سے کوئی تعرض نہیں ہے اور مولانا صاحب مناصب اس پر تلے ہیں کہ مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس فتویٰ میں اجتماعی تعزیت سے منع کیا ہے۔ "بریں عقل و دانش بباید گریست" اس لاطائل اور بے سود خامہ فرسائی کے بعد

دوسرا عنوان یہ قائم کیا ہے۔

''شریعت میں بعض افعال کو بھی نوحہ کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے''

اور اس کی دلیل میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ترجمہ درج کیا ہے، سنن ابن ماجہ میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "كنا نرى الاجتماع إلى أهل الميت وصنعة الطعام من النياحة" (ابن ماجہ مع انجاح الحاجہ، ص ۱۱۷)

دار العلوم دیوبند کے طبقہ اولیٰ کے اکابر حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی، حضرت قطب ارشاد مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا محمود اولین مدرس دار العلوم دیوبند رحمہم اللہ وغیرہ کے استاذ حدیث حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی نے سنن ابن ماجہ کے اپنے حاشیہ موسوم بہ انجاح الحاجہ میں، حدیث میں واقع الفاظ "من النياحة" کی مراد یہ بیان فرمائی ہے "أي نعدّ وزره كوزر النوح" (یعنی میت کے دفن کے بعد اہل میت کے یہاں اجتماع اور اجتماع کے لیے اہل میت کی طرف سے کھانا تیار کیے جانے کے) گناہ کو ہم نوحہ کے گناہ کی مانند شمار کرتے تھے، حضرت شیخ مجددی رحمہ اللہ کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ان افعال کو نوحہ کے ساتھ ملحق نہیں کیا گیا ہے؛ بلکہ ان کے گناہ کو نوحہ کے گناہ کے مثل کہا گیا ہے، مولانا پالن پوری نے اپنے عنوان میں جو دعویٰ کیا ہے اور اس دعویٰ کے ثبوت میں حدیث جریرؓ سے جو دلیل پیش کی ہے وہ بھی ان کے دعویٰ کے مطابق نہیں ہے؛ کیونکہ دعویٰ تھا کہ شریعت میں بعض افعال کو بھی نوحہ کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے اور دلیل کہہ رہی ہے کہ ان افعال کے گناہ کو نوحہ کے گناہ کے مثل شمار کیا گیا ہے، نفس فعل اور فعل کے گناہ میں فرق بالکل واضح ہے ''عیاں را چہ بیاں''

اس روایت کی اہمیت بتانے کے لیے علامہ سندھی محدث کی شرح ابن ماجہ کے حوالہ سے لکھا گیا ہے کہ "كنّا نعدّ يا كنّا نرى" کا مطلب اجماع صحابہ ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کی روایت وحکایت ہے، دوسری صورت میں یہ بحکم مرفوع ہے اور حجت دونوں صورتوں میں ہے''۔

عرض ہے کہ علامہ سندھیؒ کا روایت کے بارے میں یہ قول آں موصوف کے لیے اس وقت مفید مطلب ہوتا جب کہ اس کے الفاظ ظاہر معنی میں ہوتے جبکہ حضرت شاہ مجددی رحمہ اللہ کی شرح سے معلوم ہو چکا ہے کہ ''من النیاحۃ'' کے الفاظ اپنے ظاہری معنی میں نہیں ہیں، علاوہ ازیں علامہ سندھی رحمہ اللہ کا یہ قول متفق علیہ بھی نہیں ہے؛ کیونکہ امام آمدی ''الاحکام'' ۱۴۰/۲ میں لکھتے ہیں "إنما يكون ذلك حجة ان لو كان نقله مستندًا إلى فعل الجميع، لأن فعل البعض لايكون حجة على بعض الآخر ولا على غيرهم" (اعلاء السنن، ج۸، ص۲۳)

''کسی صحابی کا اس طرح کا قول اسی وقت حجت ہوگا جب انھوں نے اس کی نسبت جمیع صحابہ کی جانب کی ہو، کیونکہ بعض صحابہ کا قول بعض دوسرے صحابہ کے حق میں حجت نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی غیر صحابہ پر حجت ہوتا ہے''۔

پھر اس حدیث کی شرح سے متعلق البراہین القاطعہ سے پانچ اور سفر السعادت سے ایک کل چھ اقتبا سات نقل کیے ہیں جن کا مسئلہ زیر بحث سے تعلق نہیں؛ کیونکہ یہ سب میت کی تدفین کے بعد اہل میت کے یہاں اجتماع اور اکٹھا ہونے کے بارے میں ہیں اور گفتگو ہو رہی ہے کہ بعض افعال شریعت میں ملحق بہ نوحہ ہیں۔

اس کے بعد پورے جزم کے ساتھ رقمطراز ہیں کہ ''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت کی اصطلاح میں نوحہ کے لیے رونا دھونا لازم نہیں؛ بلکہ میت کی وفات پر انجام دیے جانے والے بعض ایسے افعال بھی نوحہ میں شمار ہوتے ہیں جن میں رونا دھونا نہیں ہوتا''۔

ہم گزشتہ سطور میں شیخ المشائخ شاہ عبدالغنی مجددی رحمہ اللہ کی شرح سے یہ واضح کر چکے ہیں کہ بعض افعال نہیں بلکہ بعض افعال کے گناہ مثل نوحہ کے شمار ہوتے ہیں؛ لہٰذا موصوف کا یہ کہنا کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت کی اصطلاح میں ''نوحہ کے لیے رونا دھونا لازم نہیں'' محض خود فریبی ہے، نہ حدیث سے ان کا بیان کردہ مفہوم ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی یہ شریعت کی اصطلاح ہے، جو

دراصل حدیث کے معنی ومراد کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

پھر اپنی اس جدید اور خود ساختہ اصطلاح کی تائید میں لکھتے ہیں اسی وجہ سے ''شیخ تقی الدین نے حنابلہ کے حوالہ سے نقل کیا کہ جو وعظ (تقریر) اور قصیدہ خوانی مصیبت کو بھڑکائے وہ بھی نوحہ ہے۔ (ذكر الحنابلة ان ما هيج من وعظ وانشاد شعر فمن النياحة أي منهي عنها قاله الشيخ تقي الدين" (الموسوعة الفقهية ٢٢-٩٨)

مولانا موصوف کے ترجمہ اوران کی نقل کردہ موسوعہ فقہیہ کی عبارت پڑھیے، اس میں "فمن النياحه" کے بعد "أي المنهي عنها" کے تفسیری الفاظ بھی ہیں، مگر آں موصوف کا ترجمہ اسے ہضم کر گیا، کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے اس خود تراشیدہ اصطلاح کی تائید ہو ہی نہیں سکتی، شیخ تقی الدین نے "فمن النياحة" کے بعد "أي المنهي عنها" کہہ کر یہ بتایا ہے کہ یہ مصیبت انگیز وعظ واشعار بھی نوحہ کی طرح ممنوع ہیں، شیخ تقی الدین بالفاظ دیگر وہی بات کہہ رہے ہیں جو شیخ المشائخ شاہ مجددی رحمہ اللہ نے بیان کی تھی، اسلاف واکابر کی عبارتوں میں جہاں کہیں بھی کسی ایسے فعل کو نوحہ کہا گیا ہے جس میں رونا یا چیخ و پکار نہیں ہے ان سب میں یہی مراد ہے ورنہ لسان عرب اور اصطلاح فقہا دونوں مں خلل واقع ہوجائے گا، جو درست نہیں ہے۔ ہمارا گمان یہی ہے کہ مولانا پالن پوری سے سہواً "أي المنهي عنها" کا ترجمہ چھوٹ گیا ہے، کیونکہ مولانا جیسا متعدد وقیع مناصب پر فائز دانستہ ایسی غلطی نہیں کرسکتا ہے، خدا کرے ہمارا گمان صحیح ہو۔

مولانا موصوف سے عرض ہے کہ جس موسوعہ فقہیہ سے جناب نے شیخ تقی الدین کی یہ عبارت نقل کی ہے تھوڑی سی اور زحمت فرما کر اسی موسوعہ کی، ج ۴۲ کو بھی دیکھ لینا چاہیے تھا جس میں لفظ نیاحہ کے تحت اس کی تعریف ان لفظوں میں کی گئی ہے:

"النياحة لغة اسم من النوح مصدر ناح ينوح نوحًا ونواحاً

ونياحًا، وهى البكاء بصوت عال كالعويل.

نوحہ کی یہ لغوی تعریف جن کتب لغت سے ماخوذ ہے حاشیہ میں ان کا نام یہ ہے "لسان العرب، تاج العروس، المصباح المنير، جمهرة اللغة الصحاح، النظم المستعذب في شرح غريب المهذب" (ج۴۲،ص۴۹)

ان کے علاوہ راقم الحروف کے کتب خانہ میں عربی فارسی اور اردو کی فن لغت میں جو کتابیں ہیں وہ یہ ہیں: مغرب، مفردات راغب، القاموس، المعجم الوسیط، غیاث اللغات فارسی، القاموس الوحید عربی سے اردو، مصباح اللغات عربی سے اردو، فیروز اللغات کلاں اردو ان سب کتابوں میں نیاحہ میں بلند آواز سے رونے کی صراحت ہے جس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ عرب اسی اظہار غم کو نوحہ کہتے ہیں جو بلند آواز سے رونے پر مشتمل ہو۔

نوحہ کی لغوی معنی کی تحقیق کے بعد اصطلاحی معنی کا ذکر یوں ہے۔

وفي الاصطلاح اختلفت عبارات الفقهاء في تعريف النياحه:
فعرّفها الحنفية بانها: البكاء مع ندب الميت أي تعديد محاسنه وقيل: هي بكاء مع صوت، وحاصل كلام علماء المالكية ان النياحة عندهم هي البكاء إذا اجتمع معه احد الامرين: صراخ أو كلام مكروه.

وعرفها اكثر الشافعية وبعض المالكية بانها رفع الصوت بالندب ولو بغير بكاء، وقيل: مع البكاء.

وعرفها الحنابله وبعض الشافعية بانها رفع الصوت بالندب برنّة أو بكلام مسجع" (أيضاً)

یہ ہے فقہاء اربعہ کے یہاں نوحہ کی اصطلاحی تعریف، جناب من ان لغوی اور اصطلاحی تعریفوں کو ملاحظہ کیجیے، پھر اپنے قول کو دیکھئے کہ شریعت کی اصطلاح میں نوحہ کے لیے رونا دھونا لازم نہیں'' پھر خود فیصلہ کیجیے کہ کیا یہ لغت اور اصطلاح میں تحریف نہیں ہے؟

میرے محترم اسلامی شریعت (قرآن وحدیث) کا اصل مواد لسان عرب ہی ہے عرب اپنی بول چال میں الفاظ کو جن معانی میں استعمال کرتے تھے (جبکہ شارع نے اسے اپنے خاص اصطلاحی معنی میں مخصوص نہ کرلیا ہو) ان کا پاس ولحاظ نہایت ضروری ہے۔ اگر لغت عرب میں چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو جان لیجیے اسلامی احکام کے آسمان وزمین دگرگوں اور زیروزبر ہو جائیں گے، کون نہیں جانتا کہ ملت اسلامیہ فرقہ باطنیہ کے اس فتنہ سے نبرد آزما ہو چکی ہے، خدارا ایسا مت کیجیے، کیونکہ یہ ایک بڑے فتنہ کا دروازہ کھولنے کے مرادف ہے۔ چنانچہ علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

لفظ الایمان فی خطاب "آمنوا باللّٰہ مستعمل فی لسان العرب فی التصدیق وانه غیر منقول عنه إلی معنی آخر فلو کان عبارة عن المعرفة للزم صرفه عما یفهم منه عند العرب إلی غیره من غیر قرینة وذلك باطل، والا لجاز فی سائر الالفاظ وفیه ابطال اللغات، ولزوم تطرق الخلل إلی الدلائل السمعیة وارتفاع وثوق عنها وهذا خلف" (عمدۃ القاری، ج۱، ص۱۰۵، ط: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

نوحہ کے معنی میں اس ناروا توسع بلکہ تحریف کے بعد لکھتے ہیں "بس اب غور کیا جائے کہ میت کے محاسن ومناقب بیان کرنے کے لیے جو سمینار منعقد کیا جائے اور اس میں مختلف دور دراز علاقوں سے لوگ آکر اہل میت کے پاس جمع ہوں کیا وہ اجتماع وسمینار حدیث جریر اور اس کی تشریح کی روشنی میں شرعاً نوحہ کی شکل یا نوحہ کے ساتھ ملحق نہ ہوگا۔

موصوف کی یہ عبارت غماز ہے کہ نوحہ کے لغوی واصطلاحی معنی میں جو تحریف کی گئی ہے اس کی منشا یہی تھی کہ اس طرح سمیناروں کو نوحہ کے ساتھ لاحق کر کے اس پر حرمت کا فتویٰ عائد کیا جا سکے گا۔ لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ"

مولانا کی عبارت کا یہ حصہ پڑھیں "اور اس میں مختلف دور دراز علاقوں سے

لوگ آکر اہل میت کے پاس جمع ہوں" اور بتائیں کیا واقعہ یہی ہے؟ ہمیں تو کوئی ایسا سمینار دیکھنے کو نہیں ملا جس کے مندوبین اور مقالہ نگار اہل میت کے پاس جمع ہوتے ہوں، ہمارا پھر سوال ہے کہ اس بھری وآباد دنیا میں کوئی ہے جو ہمیں ایسے سمینار کی نشاندہی کردے اور خود سمیناروں کے وجود کی شہادت بھی موصوف کے اس انوکھے انکشاف کے خلاف ہی ہے، یونہی کسی نامور شخصیت پر جو تعزیت نامی جلسے ہوتے ہیں ان میں بھی شرکاء جلسہ میت کے گھر والوں کے پاس جمع نہیں ہوتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا خیالی مفروضہ ہے جس کا آں جناب کے خانۂ خیال کے علاوہ کہیں وجود نہیں ہے، لہٰذا "جلسۂ تعزیت اور سمینار کا شرعی حکم" کے مضمون نگار اپنے اس موہوم، خیالی اور عنقائی اجتماع وسمینار پر شوق سے جو حکم چاہے چسپاں کریں، البتہ مروجہ اور خارج میں وقوع پذیر ان سمیناروں پر وہ نوحہ کا مبنی بر دلیل حکم نہیں لگا سکتے ہیں۔

ہم موصوف کی اب تک کی تحریر میں اس خط کو تلاش کرتے رہے جو انھوں نے سنت وبدعت کے درمیان بطور حد فاصل کے کھینچا ہے، مگر وہ خط کہیں نہیں نظر آیا اور اس موقع پر جو دیکھنے کو ملا بھی تو وہ شکستہ در شکستہ ہے۔

گذشتہ محیر العقول تحقیقات کے بعد اپنے مضمون کا آخری عنوان ان لفظوں میں بیان کیا ہے: "نص کے مقابلہ میں کسی عالم یا جماعت کا فعل معتبر نہیں ہے"۔

اس عنوان کے معنون کو "باقیات فتاوی رشیدیہ" اور براہین قاطعہ کے چھ اقتباسات کے ذریعہ واضح کیا ہے۔ غالباً ان کی نظر میں کوئی ایسا دیوبندی ہے جو اس مسلمہ کلیہ کو تسلیم نہیں کرتا ہے کہ "نص کے مقابلہ میں کسی عالم یا جماعت کا فعل معتبر نہیں ہے"۔ اسی کو باور کرانے کے لیے یہ مسلسل چھ اقتباس نقل کیے ہیں۔

یا شاید اس عنوان اور اس کے معنون سے ان کا اشارہ اسی ۱۳۲۷ھ کے جلسہ کی طرف ہے جو اکابر دار العلوم کے طبقہ ثانیہ کی ایک بڑی جماعت نے منعقد کیا تھا اس عنوان کے ذریعہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ جلسہ نص کے خلاف تھا، لہٰذا اس معاملہ

میں جماعت دیوبند کے ان اکابر کا یہ عمل لائق اعتبار نہیں ہے؛ لیکن وہ نص کہاں ہے جس کی مخالفت ان اکابر نے حاشاوکلا کی ہے۔ اگر یہ نص آں جناب کے ذخیرۂ علمی میں موجود ہے تو اسے پردۂ خفا سے نکال کر صفحۂ ظہور پر نمایاں کیجیے تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ واقعی یہ نص صحیح مسئلہ زیر بحث میں قابل استدلال ہے، لہٰذا اس کے مقابلہ میں جماعت اکابر کا فعل معتبر نہیں ہے۔

مولانا موصوف نے اپنے مضمون کا مرکزی عنوان ''تعزیتی جلسہ اور سمینار کا شرعی حکم'' ثبت فرمایا تھا، مگر اس پر بحث کے بجائے وہ وابستگان دارالعلوم دیوبند کو کچھ اور سمجھانے میں منہمک ہو گئے جس سے مضمون کا بظاہر مقصد فوت ہو گیا، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں مسئلوں کی اپنی فہم کے مطابق کچھ وضاحت کر دی جائے۔

تعزیتی نام کے جلسہ کا حکم

یہ بندۂ عاجز نہ مفتی ہے نہ فتاویٰ کا مرتب البتہ اب تک کی زندگی علم وعلماء کی جلو میں گذری ہے علم وعلماء کے ساتھ اس طویل وابستگی سے ان مذکورہ اجتماعات کے متعلق فہم کی رسائی جہاں تک ہوئی ہے اسی کا یہ اظہار ہے، اسے فتویٰ نہ سمجھا جائے۔ بندہ کی رائے میں یہ جلسے صرف نام ہی کے تعزیتی ہیں، معنوی اعتبار سے یہ تعزیت کے مصداق نہیں ہیں، کیونکہ ان جلسوں میں اس دنیا سے رخصت ہو جانے والوں کے سوانح، علم، دین، فہم وفراست اور ان کی ملی، سماجی، سیاسی خدمات وغیرہ کا تذکرہ ہوتا ہے، اس لیے یہ اپنی معنوی حقیقت کے اعتبار سے محاسن موتی کے تذکرہ کے جلسے ہیں اور محاسن موتی کا ذکر محمود ومطلوب ہے، نیز حدیث پاک "اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویہ" اپنے اطلاق میں انفرادی واجتماعی دونوں نوع کے ذکر کو حاوی ہے، لہٰذا محاسن موتی کے ذکر کی دونوں صورتیں مشروع ومطلوب ہیں، چاہے کوئی انفراداً یہ ذکر کرے، یا ایک

جماعت ومجمع میں یہ ذکر ہو، شرعی طور پر دونوں کا اختیار ہے۔

البتہ اگر اس کے ساتھ کوئی ایسا امر وابستہ ہو جائے جو شرعاً ممنوع ہے تو پھر یہ ذکر اجتماعی ممنوع ہو جائے گا؛ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جائز مطلق قید ممنوع سے ممنوع ہو جاتا ہے۔ ہمارے اس استدلال کی تائید براہین قاطعہ کے ایک استدلال سے ہوتی ہے۔

انوار ساطعہ کے مؤلف کی طرف سے جب علمائے حق پر یہ اعتراض کیا گیا کہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ ''قرونِ ثلاثہ کے بعد جو حادث ہو وہ ضلالت ہے تو یہ اعتقاد وجوب تعیین تقلید شخصی کا تو قرون ثلاثہ کے بعد چوتھی صدی ہجری میں ہوا ہے'' پھر آپ لوگ تقلید شخصی کے وجوب کے کیونکر قائل ہو'' اس اعتراض کے جواب میں صاحب ''البراہین القاطعہ'' رقم طراز ہیں: تقلید شخصی کی دلیل قرون ثلاثہ میں موجود ہے گو وجود خارجی اس کا کبھی ہو اس سے ہم کو بحث نہیں، "فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون" الآیۃ اس میں وجوب تقلید کا حکم ہے اور باطلاقہ شخصی اور غیر شخصی دونوں کو محتوی ہے اور دونوں مامور علی التخییر ہیں'' (البراہین القاطعہ ص ۶۸)

اور حضرت قطب ارشاد فقیہ النفس مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا یہ فتویٰ بھی اس کا مؤید ہے۔

''اگر بلا تعیین یوم جمع ہو کر ختم قرآن کریں یا کلمہ طیبہ اور ایصال ثواب اس کا کریں تو جائز ہے اکثر علماء کے نزدیک، اگرچہ علامہ مجد الدین فیروز آبادی ایصال ثواب میت کے اجتماع کو بھی بدعت لکھتے ہیں سفر السعادت میں (فتاویٰ رشیدیہ مشمولہ تالیفات رشیدیہ، ص ۱۴۴، ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور محرم الحرام ۱۴۰۸ھ ستمبر ۱۹۸۷ء)

مروجہ سمینار کا حکم

علمی، روحانی، ثقافتی، سیاسی وغیرہ شخصیات پر ملک یا بیرون ملک جو سمینار ہوتے ہیں، ان کا تعزیت مصاب سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے کہ ان پر خواہ مخواہ

تعزیت کے احکام چسپاں کر کے انھیں ناجائز ٹھہرایا جائے۔ یہ سمینار دراصل تحصیل علم وتحقیق کا ایک طریقہ ہے، جیسے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عام فقہائے مجتہدین کی روش سے ہٹ کر مجتہد فیہ مسائل میں تنہا اجتہاد کرنے کے بجائے اپنے منتخب چالیس طلبہ کی ایک جماعت مقرر فرمائی تھی جس میں خود امام صاحب بھی شریک تھے، یہ پوری جماعت مل کر مسائل زیر بحث کی تحقیق وتنقیح کرتی تھی، یہ شخصی اجتہاد کے بجائے اجتماعی اجتہاد کا ایک طریقہ تھا، جو اس قدر پسند کیا گیا کہ بعد کے ادوار میں مختلف علمی موضوعات پر مجالس اور اکیڈمیاں قائم ہونے لگیں۔

تحصیل علم کی اسلام میں کس قدر اہمیت ہے اسے کون نہیں جانتا، عہد صحابہ اور اس کے بعد کے قرون میں علم دین کی تحصیل کے جو طریقے تھے بعد کے ادوار میں ان طریقوں کی جگہ دوسرے نئے طریقوں نے لے لی کہ مدارس کے لیے مخصوص عمارتیں تعمیر ہوئیں اور تعلیم وتدریس کے مخصوص نظام مرتب ہوئے جن کا قرون ثلاثہ میں نام ونشان نہیں تھا، مدارس کے نام سے ان مخصوص عمارتوں اور جدید نظام تعلیم کو کبھی بدعت نہیں کہا گیا۔

اسی طرح عصر حاضر میں سمینار بھی علم وتحقیق کا ایک ذریعہ ہے کہ کسی شخصیت یا کسی علمی موضوع پر خواہ وہ اسلامی علوم سے متعلق ہوں یا جدید عصری علوم سے ان کا تعلق ہو۔ شخص واحد کے بجائے ایک جماعت اس موضوع پر اپنے تحقیقی مقالے لکھتی ہے پھر سمینار کے اجتماع میں ہر شخص اپنی تحقیق پیش کرتا ہے اور اس پر مناقشہ ومباحثہ ہوتا ہے اس طرح موضوع زیر بحث محقق ومنقح ہو جاتا ہے، خود اپنے حلقہ میں فقہ اکیڈمی اور محکمہ شرعیہ کی جانب سے پیش آمدہ جدید مسائل پر سمینار ہوتے رہتے ہیں، جس میں ملک کے دیگر علماء کے علاوہ خود دار العلوم دیو بند کے اساتذہ کی ایک اچھی خاصی تعداد شریک ہوتی ہے، لہٰذا تحصیل علم وتحقیق کے اس مفید طریقہ کے جواز میں کیا تردد ہو سکتا ہے؟

ان دونوں مسئلوں میں بندہ کی یہ اپنی ذاتی رائے ہے یہ نہ بیانِ فتویٰ ہے

اور نہ ہی اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھتا ہوں، بس اپنی رائے کا اظہار ہے، ان دونوں مسئلوں میں صاحب نظر وانصاف علماء اور فن افتاء میں ارباب بصیرت مفتیان ہی کی تحقیق وفتوی قول فیصل کا حامل ہوگا۔

آخر میں گذارش ہے کہ مسلمانوں اور بالخصوص علما وصلحا کے قول وعمل کا حدود شرعیہ میں رہتے ہوئے بہتر محمل تلاش کیے جانے کی کوشش کی جانی چاہیے، یہی علم و دین اور ایک مسلمان بھائی کے ساتھ حسن ظن کا تقاضا ہے نہ کہ کھینچ تان کر اور اپنی طرف سے دور از کار مفروضے تراش کے اسے معصیت یا بدعت کی فہرست میں شامل کردیا جائے، یہ روش "الدين النصيحه" کے یکسر خلاف ہے، ہم سب ہی کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

(اللّٰهم وفق لنا الصواب والسداد فى القول والعمل)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمين والصلوٰة والسلام على خاتم الانبياء والمرسلين وعلى آله وأصحابه واتباعه أجمعين.

حبیب الرحمٰن اعظمی
۵ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ

تصدیقات از اساتذۂ دار العلوم دیوبند

ہم اپنے اکابر رحمہم اللہ کو علم وعمل کے اعتبار سے مرجع سمجھتے ہیں اور بصیرت کے ساتھ اونکو اسوۂ دینیہ محقق مانتے ہیں اور قابل نمونہ جانتے ہیں۔

[illegible]
۲۲ ستمبر ۱۸ء ۱۳ محرم الحرام [illegible]ھ

حوالے کی کتابیں

۱-	صحیح البخاری	امام بخاری
۲-	صحیح مسلم	امام مسلم نیشاپوری
۳-	سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد بجستانی
۴-	سنن الترمذی	امام ترمذی
۵-	سنن النسائی	امام نسائی
۶-	سنن ابن ماجہ	امام ابن ماجہ
۷-	مسند احمد	امام احمد بن حنبل
۸-	مستدرک الحاکم تلخیص الذہبی	امام حاکم و حافظ ذہبی
۹-	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ خطیب تبریزی
۱۰-	اتحاف الخیرۃ المہرہ	محدث بوصیری
۱۱-	الاذکار	امام نووی
۱۲-	الاستذکار	حافظ ابن عبد البر
۱۳-	المنہاج (شرح صحیح مسلم)	امام نووی
۱۴-	فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانی
۱۵-	عمدۃ القاری	حافظ بدر الدین عینی
۱۶-	مرقات شرح المشکوٰۃ	شیخ ملا علی قاری ہروی
۱۷-	انجاح الحاجۃ شرح ابن ماجہ	مولانا شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی مہاجر مکی
۱۸-	کتاب الفروق	امام قرافی مالکی
۱۹-	الموسوعۃ الفقہیۃ	از وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ کویت
۲۰-	فتاویٰ رشیدیہ	قطب ارشاد مولانا گنگوہی محدث
۲۱-	کفایت المفتی	مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی
۲۲-	البراہین القاطعہ	مولانا شیخ خلیل احمد محدث سہارنپوری مہاجر مدنی
۲۳-	غریب الحدیث	امام خطابی
۲۴-	سیر اعلام النبلاء	حافظ ذہبی
۲۵-	بستان المحدثین	علامہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
۲۶-	اُلا یا عین ! ابکی	استاذ عریف الدین بنگلہ دیشی

مصنف کی دیگر تصنیفات

☆ تذکرہ علماء اعظم گڑھ ☆ ایک فتویٰ کا تحقیقی جائزہ

☆ اسلام کا نظام عبادت ☆ اسلام اور نفقہ مطلقہ

☆ مقام محمود (مجموعہ مقالات شیخ الہندؒ) ☆ شجرۂ طیبہ (احوال شیخ طیبؒ بنارسی)

☆ تحقیق مسئلہ رفع یدین ☆ مسائل نماز ☆ تفسیر سورۂ بقرہ

☆ امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت کا حکم ☆ خواتین اسلام کی بہترین مسجد

☆ طلاقِ ثلاثہ صحیح ماخذ کی روشنی میں ☆ وفیات [illegible] ماہنامہ دار العلوم دیوبند

☆ بابری مسجد حقائق اور افسانے ☆ اجودھیا کے اسلامی آثار

☆ اسلام میں تصور امامت ☆ خمینیت عصر حاضر کا عظیم فتنہ

☆ فرقہ اثنا عشریہ اسلام کی نظر میں ☆ سر سید کا نظریہ حجیت حدیث

☆ شرح مقدمہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ ☆ نور القمر شرح نخبۃ الفکر

☆ حجیت حدیث اور حدیث پر عمل کی صورتیں ☆ نقد و نظر

☆ امام ابو حنیفہ کا علم حدیث میں مقام و مرتبہ ☆ مقالات حبیب ۳؍ جلد

☆ متحدہ قومیت علما اسلام کی نظر میں

☆ ہندوستان میں امارت شرعیہ کا نظام اور جمعیۃ علماء ہند کی جدوجہد

ناشر

مرکز دعوۃ و تحقیق دیوبند، یوپی (الہند)

بزم علماء والأئمة

الحمدللہ

موقع کی مناسبت سے ہر جمعہ بیان کا
عنوان ۔۔۔ اور اس عنوان پہ تیاری کا
مواد بصورتِ کتب فراہم کیا جاتا ہے

برائے رابطہ

03345613913

علماء، طلباء اور خطباء کو اس
گروپ میں شامل کروائیں